دِل کا دروازہ کھلا ہے

urdunovelist.blogspot.com

جس نے بھی سنا، کچھ دیر کو تو اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ خود نومیہ حسن سناٹے میں آ گئی تھی۔ حالانکہ وہ کم ہی کسی بات پر حیران ہوتی تھی بلکہ شاید ہی کبھی کسی نے اسے حیران ہوتے دیکھا ہو اور چونکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گویا اس کے نزدیک سب کچھ ممکن تھا، یعنی اگر کسی دن اسے یہ خبر سنائی جاتی کہ آج سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوا تو وہ چونکے بغیر کہتی۔

''تو کیا ہوا! روز ہی تو مشرق سے نکلتا ہے، آج مغرب سے سہی۔''

اور وہی نومیہ حسن اس وقت سناٹے میں کھڑی تھی۔ باقی لڑکیاں الگ اپنی جگہ بت بنیں حرا کو دیکھ رہی تھیں، جس نے یہ خبر سنا کر سب کو تو دشتِ حیرت میں دھکیل ہی دیا تھا اور اب خود مسکرا مسکرا کر ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھی۔ پھر سب سے پہلے سمیرا سناٹے سے نکلی تو اپنی سماعتوں پہ شبہ کرتی ہوئی بولی۔

''شاید میرے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیا کہا تھا حرا تم نے۔ ذرا پھر سے کہنا!''

اور حرا بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا تھا لیکن باقاعدہ تصدیق کر کے آ رہی ہوں کہ غزنوی بھائی نے شادی کے لیے نومیہ حسن کو پسند کر لیا ہے۔''

''تصدیق تمہیں غزنوی کے ہوش وحواس کی کرنی چاہیے کہ آیا سلامت ہیں کہ نہیں۔''

اس بار نومیہ سناٹے سے نکل کر بولی تو سیما نے اسے دیکھ کر مزید حیرت کا اظہار کیا۔

''یعنی تمہیں بھی یقین نہیں آ رہا۔''

''ہاں نومیہ! تمہارے لیے تو کوئی بات نئی ہوتی ہے نہ اہم بلکہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے پھر؟''

سمیرا نے اسے متوجہ کر کے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''میں حیران نہیں ہوں بلکہ تشویش میں مبتلا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''مجھے غزنوی کی دماغی حالت پہ شبہ ہو رہا ہے، یقیناً ان کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔''

وہ کہہ کر خود ہی ہنسی؛ جب کہ باقی سب نے برا سا منہ بنایا۔ کیونکہ غزنوی کے بارے میں یہ بات کسی کو پسند نہیں آئی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' وہ سب کی ناگواری محسوس کرنے کے باوجود باز نہیں آئی بلکہ دھڑلے سے بولی۔ ''یقیناً غزنوی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خود ہی سوچو! کل تک جو شخص مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ آج مجھ سے شادی کی بات کر رہا ہے تو اس کے ہوش وحواس مشتبہ ہوئے کہ نہیں۔ جاؤ بڑے ابا سے کہو، انہیں فوراً کسی مینٹل ہاسپٹل لے جائیں۔''

''توبہ نومیہ! ایسی خوفناک باتیں تو نہ کرو۔'' حرا نے اس تصور سے جھرجھری لے کر اسے ٹوکا۔

''اور جو یہاں خوفناک حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ وہ یعنی غزنوی کو دورے پڑیں گے تو وہ کبھی زور زور سے چیخیں گے، چلائیں گے اور کبھی اونچے اونچے قہقہے ہاہاہا۔''

وہ باقاعدہ پورا منہ کھول کر پاگلوں کی طرح ہاہاہا کی آواز نکال رہی تھی کہ اسی وقت غزنوی آ گئے اور انہیں دیکھ کر وہ بجائے خائف ہونے کے ڈھٹائی سے ہنستی ہوئی بولی۔

''میں آپ کی نقل اتار رہی تھی۔ میرا مطلب ہے اگلے چند دنوں میں آپ کچھ اسی قسم.....''

''شٹ اَپ!'' انہوں نے بہت سخت لہجے میں اسے خاموش کر دیا لیکن وہ کہاں خاموش ہونے والی تھی۔ سمیرا کو دیکھ کر بولی۔

''دیکھو! علامات ظاہر ہو رہی ہیں۔''

''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔'' سمیرا نے دانت پیسے، پھر فوراً غزنوی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

''آیئے غزنوی بھائی، بیٹھیں ناں!''

''کیا کر رہی ہو تم سب! لگتا ہے کوئی خاص میٹنگ ہو رہی تھی۔'' انہوں نے سب کو دائرے میں بیٹھے دیکھ کر کہا۔

''نہیں غزنوی بھائی! ہم تو بس یونہی.....''

''آپ کی دماغی حالت پر تبصرہ کر رہی تھیں۔'' اس نے سیما کی بات درمیان ہی میں اچک لی، تو جہاں باقی سب لڑکیاں سٹپٹا گئیں، وہاں غزنوی اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''پہلے یہ بتائیں، مجھ سے شادی کا فیصلہ آپ نے دل سے کیا ہے یا دماغ سے؟''

اس سے ہر قسم کی بے باکی اور بدتمیزی کی توقع کی جا سکتی تھی، پھر بھی لمحہ بھر کو غزنوی چکرا گئے۔ گویا اُمید نہیں تھی کہ سب کی موجودگی میں وہ براہِ راست ایسا کوئی سوال کرے گی۔ بہرحال

urdunovelist.blogspot.com

فوراً سنبھل کر آگے بڑھے اور اسے کلائی سے تھام کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے آئے۔ اس دوران اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش میں اس نے ان کے بازو اور ہاتھ کو بری طرح اپنے ناخنوں سے نوچ ڈالا۔ اس کے باوجود ان کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی اور کمرے میں آتے ہی انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو موڑ کر کمر کے پیچھے کر لیا جس سے وہ چیخ پڑی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' انہوں نے دھکا دے کر اسے صوفے پر گرا دیا، پھر چبا چبا کر بولے۔

''تم میں شرم حیا، لحاظ، مروت کی رمق اگر کمی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم علی الاعلان اس کا اظہار بھی کرو، یا تم اپنے آپ کو بہت اسمارٹ سمجھتی ہو۔''

''میں خود کو کچھ بھی سمجھوں یا کچھ بھی کروں۔ آپ کون ہوتے ہیں مجھے ٹوکنے والے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''ابھی تو میں صرف تمہارا عم زاد ہوں اور اس ناتے بھی میں تمہیں ٹوکنے کا حق رکھتا ہوں۔''

''جی نہیں، ایسا کوئی حق نہیں ہے آپ کو۔ اگر رعب جمانے کا اتنا ہی شوق ہے تو سیما، حرا، وغیرہ موجود ہیں۔ ان پر اپنا شوق پورا کر لیں، میں کسی کے رعب میں آنے والی نہیں۔''

وہ برابر سے جواب دے کر انہیں طیش دلا رہی تھی لیکن وہ بڑے ضبط سے بولے۔

''جانتا ہوں۔''

''جانتے ہیں تو مجھے یہاں لے کر کیوں آئے ہیں؟''

''تمہاری بات کا جواب دینے کہ تم سے شادی کا فیصلہ میرے دل اور دماغ کا مشترکہ فیصلہ ہے، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''ہا.....'' اس نے یقیناً ہاں کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ وہ فوراً روک کر کہنے لگے۔

''ایک منٹ، ابھی نہیں۔ اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔ ناؤ گیٹ لاسٹ!''

ان کے آخری الفاظ پر وہ بری طرح سلگ گئی۔

''میں خود نہیں آئی۔ آپ لے کر آئے ہیں مجھے، بڑے آئے گیٹ لاسٹ کہنے والے۔ اور اچھی طرح سن لیں، میں ہرگز ہرگز آپ سے بلکہ کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔''

وہ اپنی بات ختم کر کے دندناتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی۔ سخت غصے میں تھی۔ دل چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لے۔ اگر اس وقت بڑے ابا گھر پر موجود نہ ہوتے تو وہ ضرور ایسا ہی کرتی، بس ایک ان ہی سے تو کچھ ڈرتی تھی۔ باقی تو کسی کا کوئی لحاظ نہیں تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر مسلسل بڑبڑانے کے ساتھ خواہ مخواہ چیزیں اُٹھا اُٹھا کر پٹخنے لگی۔ جس سے امی کی گود میں سوئی ننھی سامعہ ڈر کر رونے لگی تو امی اس پر بگڑنے لگیں۔

''دماغ خراب ہے تمہارا؟ ذرا احساس نہیں۔ بچی کو کچی نیند سے اٹھا دیا۔''

''یہ سو رہی تھی؟'' اس نے جھپٹنے کے انداز میں سال بھر کی سامعہ کو امی کی گود سے اٹھا کر بیڈ پر پٹخ دیا۔ اور غصے سے بولی۔

''کتنی بار کہا ہے اسے گود میں مت سلایا کریں۔''

''کیسی ظالم ماں ہو تم، کس بے دردی سے پٹخا ہے بچی کو۔''

امی تاسف سے کہتی، روتی ہوئی سامعہ کو اٹھانے آگے بڑھیں کہ وہ درمیان میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

''مت اٹھائیں اسے۔''

''ہٹو پرے!'' امی نے اسے دھکا دے کر سامنے سے ہٹایا اور فوراً سامعہ کو اٹھا کر سینے میں بھینچ لیا اور پھر اس پر بگڑنے لگیں۔

''اس ننھی سی جان نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو سارا غصہ اس پر نکالتی ہو۔ اگر اپنے دل میں اس کے لیے نرمی پیدا نہیں کر سکتیں تو سختی بھی مت کرو، ورنہ یہ کبھی تمہیں ماں نہیں سمجھے گی۔''

urdunovelist.blogspot.com

''اس کے نہ سمجھنے سے حقیقت تو نہیں بدل جائے گی۔'' وہ ایسے ہی غصے سے سر جھٹک کر بولی۔

''آخر تم اس سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہو؟''

''میں اس سے بدلہ نہیں لے رہی، غلط سمجھتی ہیں آپ!'' وہ پھٹ پڑی۔ ''میں اس کی ماں ہوں، مجھ سے زیادہ کون پیار کر سکتا ہے اس سے لیکن میں اسے اپنا محتاج نہیں بنانا چاہتی۔ جیسے آپ نے مجھے بنایا۔ زندگی میں کہیں اونچ نیچ آئی، آپ میرے سامنے ڈھال بن گئیں۔ زمانے کے سرد و گرم کی کبھی مجھے ہوا تک نہیں لگنے دی۔ نتیجہ آپ کے سامنے کھڑی ہوں۔ ماتھے پر طلاق کا لیبل سجائے اور میں اس کے ساتھ ایسا نہیں چاہتی۔''

امی ششدر اسے دیکھ رہی تھیں۔ جب وہ خاموش ہوئی تو نظریں چراتی ہوئی بولیں۔

''سال بھر کی بچی کو پتہ نہیں تم کیا سکھانا چاہتی ہو!''

''اسی وقت سے سیکھے گی کہ راستوں کے کانٹے اسے خود چننے ہیں۔ کوئی دوسرا اگر اس کے لیے اپنے ہاتھ زخمی کرے گا تب بھی چبھن اس کی روح میں اترے گی۔''

وہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور امی نے اچانک بھر آنے والی آنکھوں کو بند کر کے پیشانی سنتھی سامعہ کے سر پر ٹکا دی۔

☆☆☆

کچھ لوگوں کو نصیب بھی ورثے میں ملتے ہیں۔ امی اور اس کے نصیب میں فرق صرف اتنا تھا کہ امی جب اس کی عمر کی تھیں تو ان کے نصیب نے انہیں بیوگی کی چادر اوڑھا دی تھی۔ اس وقت وہ صرف ایک سال کی تھی۔ ابھی باپ کی شفیق آغوش میں ہمکنا سیکھ رہی تھی کہ بس اچانک ہی دماغ کی نسیں پھٹ جانے سے ابو کا انتقال ہو گیا' امی کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ اتنا چاہنے والا شوہر یوں اچانک داغِ مفارقت دے گیا کہ وہ مہینوں اس سانحے سے سنبھل نہیں سکی تھیں۔ اس وقت دادا دادی، حیات تھے۔ جوان بیٹے کی موت کا صدمہ ایسا تھا کہ دادی بمشکل دو مہینے خود کو گھسیٹ

سکیں۔ پھر وہ بھی بیٹے سے جا ملیں۔

پھر عدت کے دن تمام ہونے پر جب امی کے والدین انہیں لینے آئے تو دادا کے لیے یہ ایک اور آزمائش تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے کی نشانی ان سے دور ہو لیکن حقیقت پسند انسان تھے۔ امی کی عمر کو دیکھتے ہوئے انہوں نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس وقت اگر ان کا اپنا کوئی بیٹا غیر شادی شدہ ہوتا تو وہ اس کو اس سے عقد ثانی پر مجبور کر لیتے لیکن کوئی نہیں تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ ان کے والدین انہیں زیادہ عرصہ تک بٹھائے نہیں رکھیں گے۔ اس لیے اسی وقت انہوں نے ان سے درخواست کی تھی کہ کوئی دوسرا شخص اگر خوشی سے نومیہ کو قبول کرے تو ٹھیک، ورنہ بچی کو انہیں دے دیا جائے۔

پھر امی تقریباً ایک سال اپنے میکے میں رہیں۔ اس دوران ان کے والدین نے ان پر دوسری شادی کے لیے بہت زور دیا، مجبور کیا اور جب زبردستی کرنے لگے تو امی نومیہ کو لے کر پھر دادا کے پاس آ گئیں۔ اپنی مرضی سے آئی تھیں اور یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا کہ ساری زندگی اس گھر کی نوکری کریں گی لیکن دوسری شادی نہیں کریں گی۔ اور نوکری کیوں نہ کرتیں، دادا نے بیٹے سے وفاداری نبھانے پر نہ صرف بہو اور پوتی کو اپنی پناہوں میں لیا بلکہ جو تھوڑی بہت جائیداد بنائی تھی، اسے تقسیم کر کے مرحوم بیٹے کا حصہ اسی وقت بہو کے نام کر دیا تاکہ وہ کسی کی محتاج نہ رہیں۔

گو کہ اس وقت امی کی عمر زیادہ نہیں تھی، نہ ہی وہ سمجھ بوجھ رکھنے والی خاتون تھیں۔ بس بعض اوقات انسان کم عمری اور ناسمجھی میں بھی بڑے فیصلے کر لیتا ہے اور پھر باقی ساری زندگی اپنے فیصلے پر قائم رہنے کی کوشش میں گزر جاتی ہے۔ اگر اگلے تین چار سالوں میں یا دادا کے بعد امی کو احساس ہوا بھی تو انہوں نے خود کو مجبور و بے بس پایا کیونکہ پیچھے سب کشتیاں جلا چکی تھیں۔ اور آگے کوئی راستہ نہیں تھا۔ اگر تھا بھی تو یہ خیال کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ محض جائیداد میں حصے کی خاطر آئیں اور دادا کی آنکھ بند ہوتے ہی چل دیں۔ گو کہ اس میں رتی برابر صداقت نہیں تھی لیکن کہنے والے یہی کہتے اور وہ کسی کو روک نہیں سکتی تھیں، سیدھی سادی خاتون تھیں۔

urdunovelist.blogspot.com

بہرحال دادا کے بعد جیٹھوں نے اپنے طور پر ان کا کافی خیال رکھا اور جٹھانیوں کو انہوں نے خود کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ان کی کل کائنات نومیہ تھی۔ اپنی زندگی اس کے لیے وقف کردی۔ باقی نہ کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ البتہ سر پر سائبان نہ ہونے کی وجہ سے خود کو بہت کمزور محسوس کرتی تھیں اور اندر سے ڈری ہوئی بھی رہتی تھیں۔ ہر وقت یہ خیال کہ ان کی کوئی بات کسی کو بری نہ لگے۔ اگر جٹھانیوں میں سے کوئی اپنے ہی کسی بچے پر خفا ہو رہی ہوتی تو یہ اپنی جگہ۔ سہم کر نومیہ کو آغوش میں چھپا لیتیں۔ اور چھوٹی سی بچی کو بھی انہوں نے سہا کر رکھ دیا تھا۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو۔

دوسرے بچے ذرا سی زیادتی پر حلق پھاڑ کر چیختے اور نومیہ کی آواز کو وہ اسے اپنے سینے میں بھینچ کر روک دیتیں۔ نتیجتاً وہ ان سے بھی زیادہ بزدل نکلی۔ اس کے مقابلے میں سمیرا، حرا، سیما وغیرہ کافی تیز تھیں۔ حالانکہ بڑے ابا اور چھوٹے ابا خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں کافی سخت تھے۔ لیکن ان کی ماؤں نے کچھ توازن رکھا ہوا تھا۔ بچوں کی شرارتوں اور بدتمیزیوں پر بجائے پردہ ڈالنے کے بڑے آرام سے کہہ دیتیں کہ کیا ہوا، بچے ہی تو ہیں۔ جبکہ اس کی ہر بات امی اپنے سر لے لیتیں۔ اور یہ اس پر ظلم تھا کہ پھر اسے ہر بات پر امی کی طرف دیکھنے کی عادت ہوگئی۔

اور پھر زندگی کے اس موڑ پر جب امی ساتھ نہیں تھیں۔ وہ اچانک کتنی تنہا ہوگئی۔ وہ بھی اتنی سی عمر میں، ابھی میٹرک کر کے ہی تو نکلی تھی کہ امی کو معمولی بخار کے بعد یہ وہم ہوگیا جیسے اب وہ زندہ نہیں رہیں گی۔ بس ہر دم اسی کی فکر اور یہ کہ ایک ہی بیٹی ہے۔ اس کی خوشی دیکھ لیں۔ بڑے ابا اور چھوٹے ابا نے امی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ رو رو کر منتیں کرتیں کہ میری زندگی میں نومیہ کی شادی ہو جائے۔ اس وقت گھر کا کوئی لڑکا اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا۔ سب سے بڑے غزنوی ایم بی اے کے لیے باہر جا رہے تھے۔ اور ان کی نظروں میں تو نومیہ کی شادی سراسر حماقت تھی لیکن وہی بات کہ وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ امی کی منتوں، گریہ و زاریوں سے مجبور ہو کر بڑے ابا نے ان کی بات مان لی اور پھر اپنے طور پر تو انہوں نے دیکھ بھال

کر ہی نومیہ کا رشتہ طے کیا تھا۔ ظاہر ہے یتیم بھتیجی سے انہیں کیا پرخاش ہو سکتی تھی آگے اس کی قسمت!

اور پتہ نہیں قسمت تھی کہ سسرال آتے ہی اسے لگا تھا جیسے پندرہ سولہ سال اپنی نرم گرم آغوش میں دبائے رکھنے کے بعد اب ایک دم سے امی نے اسے تپتی دھوپ میں دھکیل دیا ہو اور اسے چیخنا، احتجاج کرنا بھی نہیں سکھایا گیا تھا۔ پھر جو دبتا ہے اس کو دباتی ہے دنیا۔ سسرال میں چھوٹے بڑے سب اس پر حاوی ہوگئے۔ شوہر مٹی کا مادھو! زن مریدی کے طعنے سے بچنے کے لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

ایک سال تک سارے ظلم و ستم اس نے بہت خاموشی سے سہے۔ پھر اسے خود ہی احساس ہوا کہ اس طرح زندگی نہیں گزرے گی۔ کچھ اپنے اندر ہمت پیدا کی اور سامعہ کی پیدائش پر اس نے سوچا کہ اب واقعی وہ مضبوط ہوگئی ہے لیکن جو لوگ اپنے ہر حکم پر اس کا سر جھکا ہوا دیکھنے کے عادی تھے ان سے اس کا نظریں اٹھا کر بات کرنا برداشت نہیں ہوا۔ بیٹی کی پیدائش پر جہاں اسے اپنی مضبوطی کا احساس ہوا، انہوں نے اسے جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا۔ پہلے بے اولادی کے طعنے تھے، پھر بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں نکال باہر کیا۔

بڑے ابا تو پہلے ہی اس کی شادی کرنے کے حق میں نہیں تھے، پھر بھی انہوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن ان کی ایک شرط تھی کہ اب وہ سسرال میں نہیں رہے گی۔ میاں اسے الگ گھر لے کر دے اور یہ کوئی ایسا ناجائز مطالبہ بھی نہیں تھا لیکن اس مطالبے کے جواب میں ادھر سے طلاق نامہ بھیج کر قصہ ہی ختم کر دیا گیا اور اس میں قصور کس کا تھا۔ اگر واقعی قسمت خراب تھی، تب بھی اس نے الزام امی کو دیا۔

''اچھا ہوا! آپ نے اپنی زندگی میں ہی سب دیکھ لیا۔ میری شادی سے بربادی تک۔''

بہرحال اب وہ پہلے والی نومیہ نہیں رہی تھی۔ مامتا کی آغوش سے نکل کر وہ صرف دو

urdunovelist.blogspot.com

سال حالات کی بھٹی میں جھلسی تھی اور ان دو سالوں نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ اپنے ساتھ ہونے والے سانحے کا اسے دکھ تو تھا لیکن زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ سب کچھ بہت جلدی اس پر بیت گیا تھا۔

اس کے ساتھ کی حرا اب تھرڈ ایئر میں تھی جب کہ سمیرا اور سیما بی اے فائنل کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھیں۔ کیسی بے فکری کی زندگی تھی ان کی۔ انہیں دیکھ کر اس کا یہ احساس شدید ہو جاتا کہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ اپنی زندگی تو وہ جی ہی نہیں پائی اور اس کی زندگی بس اتنی ہی تھی۔ اب تو اسے سامعہ کے لیے جینا تھا، اور سامعہ کے لیے نہ تو وہ امی جیسی بنے گی اور نہ اسے اپنے جیسا بننے دے گی۔ اس سوچ کے ساتھ کسی کسی وقت وہ اس ننھی سی جان سے بڑی زیادتی کر جاتی تھی، جس پر حرا نے اسے ظالم ماں کا خطاب دے رکھا تھا۔

سیما کا کہنا تھا کہ وہ شوہر کی بے وفائی اور سسرال والوں کی زیادتیوں کا بدلہ اس سے لے رہی ہے اور سمیرا تو سرے سے سامعہ کو اس کی بچی ماننے سے ہی انکاری تھی۔ جب کہ لڑکے ابھی تک اسی کی ذات میں الجھے ہوئے تھے بلکہ باقاعدہ ریسرچ کر رہے تھے کہ وہ ایک دم سے کیسے بدل گئی ہے۔ کہاں تو ذرا ذرا سی بات پر چونکتی اور سہم جاتی تھی۔ اور اب یہ عالم ہے کہ کسی کا کوئی لحاظ ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جس روز غزنوی ایم بی اے کر کے لوٹے تو سب کے درمیان اس نے انہیں بھی نہیں بخشا تھا۔

''ارے! آپ تو چھڑے چھانٹ واپس آ گئے۔ لگتا ہے کسی میم نے لفٹ ہی نہیں کرائی۔'' اور غزنوی کے بری طرح گھورنے پر بولی تھی۔

''دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں بہت لفٹ ملے گی۔''

اور غزنوی کی خطوط کے ذریعے اس کے حالات سے آگاہی تو تھی لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ حالات اس پر کس طرح اثر انداز ہوئے ہیں بلکہ ان کا خیال تھا کہ وہ جو پہلے ہی کمزور اور بزدل قسم کی لڑکی تھی، اب تو ایک دم ہی ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہوگی۔ حقیقتاً دیارِ غیر میں جب کبھی انہیں

اس کا خیال آتا تو پھر وہ کتنی دیر تک اس کے لیے کڑھتے رہتے کہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ یہ اس کی بے فکری کے دن تھے اور وہ اتنی فکروں میں گھر گئی ہوگی۔ انہیں اس سے ہمدردی محسوس ہوتی اور یہاں آ کر ساری ہمدردی غصے میں بدل گئی تھی۔ خصوصاً جب وہ انہیں نام لے کر پکارتی تو ان کا دماغ گھوم جاتا، کیونکہ گھر میں سب سے بڑے ہونے کے باعث انہیں شروع ہی سے ایک مقام حاصل تھا اور ترتیب کے حساب سے وہ سب سے آخری نمبر پر تھی۔ یعنی سب سے چھوٹی اور جب انہوں نے عمروں کا فرق جتا کر ٹوکا تو وہ دھڑلے سے بولی تھی۔

''عمروں کا فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا، میں بچی کی ماں ہوں اور آپ کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔''

''گویا ماں ہونے کا زعم ہے؟'' انہوں نے سرتاپا اسے دیکھا تھا، ویسی ہی دبلی پتلی اسمارٹ سی۔

''کیوں نہ ہو، ہر ایک کے حصے میں تھوڑی آتا ہے یہ زعم۔''

''وقت آنے پر سب کے حصے میں آتا ہے لیکن تمہاری طرح کوئی آپے سے باہر نہیں ہو جاتا۔''

''وقت آنے پر ناں اور مجھے کیونکہ وقت سے پہلے حاصل ہو گیا ہے، اس لیے۔''

''شٹ اَپ!'' وہ اس کے برابر سے جواب دینے پر سختی سے ٹوک کر بولے تھے۔ ''میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ بس اتنا سن لو کہ آئندہ مجھ سے بات کرتے وقت کسی زعم کے بجائے میری اور اپنی عمر کے فرق کو ذہن میں رکھنا۔''

''مشکل ہے۔'' وہ کہہ کر فوراً ان کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ پھر غزنوی نے خود ہی اس سے بات کرنی چھوڑ دی۔ شاید اپنی بڑائی اور عزت قائم رکھنے کا یہی طریقہ ان کی سمجھ میں آیا تھا۔ اسے دیکھ کر یوں نظر انداز کر جاتے جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو اور اسے ہرگز پروا نہیں تھی لیکن کسی کسی وقت محض انہیں چھیڑنے کی خاطر کوئی ایسی بات کہہ جاتی جس سے وہ تلملا جاتے تھے۔ غصہ

urdunovelist.blogspot.com

ان کی آنکھوں سے چھلکنے لگتا اور جیسے بس نہیں چلتا تھا کہ اس کی گردن دبا دیں۔ گھر میں سب ہی جانتے تھے کہ وہ اس سے کتنی خار کھاتے ہیں، جبھی تو ان کے شادی کے فیصلے نے سب کو حیران کر دیا تھا۔

☆☆☆

پھر اگلے دو دن لڑکیوں کے پاس اور کوئی موضوع ہی نہیں تھا اور اس ایک موضوع پر ہر پہلو سے اظہارِ خیال ہو رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اُلجھ بھی رہی تھیں۔ ایک معمہ تھا یا اُلجھی ڈور جس کا سرا ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھیں۔

''غزنوی بھائی جذباتی تو ہو نہیں سکتے۔'' سیما کے خیال سے فوراً اتفاق کیا گیا۔

''اور نہ ہی وہ طوفانی عشق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک!''

''میرا خیال ہے انہیں نومیہ سے ہمدردی ہو گئی ہے اور وہ اس کے دکھ سمیٹنا چاہتے ہیں۔''

حرا نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے سیما اور سمیرا کو یوں دیکھا جیسے وہ اس سے اتفاق کریں گی۔

''دُکھ!'' وہ دونوں ہنسیں۔ ''بے وقوف لڑکی! تمہیں نومیہ کہاں سے دکھی نظر آتی ہے؟''

''نظر نہیں آتی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اسے اپنے ساتھ ہونے والے المیے کا دکھ ہی نہیں ہوگا۔''

''یہ تو ہے۔'' سمیرا نے اتفاق کر لیا پھر کہنے لگی۔ ''لیکن غزنوی بھائی کو اس کے اندر جھانکنے کی فرصت کہاں ہے۔''

''اور کیا! وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتے بلکہ دیکھتے ہی کترا کر نکل جاتے ہیں۔''

''پھر ہمیں نومیہ کی بات سے اتفاق کر لینا چاہیے کہ غزنوی بھائی کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو

گیا ہے۔''

حرا نے کہا تو سمیرا اچھل پڑی۔ اسے اپنے بھائی کے لیے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ چیخ کر بولی۔

''نومیہ کا اپنا دماغ خراب ہے۔'' اتفاق سے وہ سنتی ہوئی آ گئی اور بجائے برا ماننے کے ڈھٹائی سے بولی۔

''کیا ابھی بھی میرا دماغ خراب نہیں ہوگا، یعنی مجھ سے بڑے سب کنوارے بیٹھے ہیں اور میری دوسری شادی کی بات ہو رہی ہے۔ واہ کیا قسمت ہے میری!''

''یہاں مذاق نہیں ہو رہا۔'' سیما نے انتہائی سنجیدگی سے اسے ٹوکا تو اس نے پہلے ایک ایک کی شکل دیکھی۔ پھر کہنے لگی۔

''تم لوگ تو واقعی سنجیدہ ہو۔ مسئلہ کیا ہے مجھے بتاؤ!''

''مذاق میں نہیں اُڑانا اور سچ سچ بتاؤ۔ پرسوں جب غزنوی بھائی تمہیں گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئے تھے تو انہوں نے کہا کیا تھا تم سے۔''

سیما نے اسے یاد دلاتے ہوئے پوچھا تو وہ غزنوی کے لہجے کی نقل اتارتی ہوئی بولی۔

''کہہ رہے تھے۔ تم سے شادی کا فیصلہ میرے دل اور دماغ کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟''

''پھر تم نے کیا کہا؟'' حرا کی بے صبری پر وہ لاپروائی سے بولی

''یہی کہ میں ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی۔''

''پھر تو واقعی تمہارا دماغ خراب ہے۔ اتنے اچھے پرپوزل کو.....''

''باس!'' اس نے چیخ کر حرا کو خاموش کرا دیا۔ پھر کہنے لگی۔ ''غزنوی میرے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ انہیں میں بھی اتنا ہی جانتی ہوں جتنا کہ تم سب، یعنی ان کی تمام خوبیوں سے واقف ہوں۔ اس کے باوجود شادی نہیں کروں گی۔''

urdunovelist.blogspot.com

''کیوں؟'' تینوں ایک ساتھ بولیں۔ خاصا جارحانہ انداز تھا۔

''زبردستی ہے کیا؟ بس نہیں کروں گی..... میری مرضی!'' وہ بھی تنک کر بولی تھی۔

اور اب ظاہر ہے اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ غزنوی اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔ اور بڑے ابا نے امی سے بھی بات کرلی تھی۔ ظاہر ہے امی کو اور کیا چاہیے تھا۔ گھر کا لڑکا وہ بھی لائق فائق۔ انہوں نے بخوشی اس کا اختیار بڑے ابا کو سونپ دیا۔ پہلے بھی انہوں نے اس سے نہیں پوچھا تھا اور اب بھی شاید ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اب وہ پہلے والی نومیہ نہیں تھی کہ خاموشی سے سر جھکا دیتی۔ بس کچھ دن خاموشی سے دیکھتی رہی کیونکہ ان دنوں سمیرا کی کہیں بات چل رہی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس دوران کوئی ہنگامہ کھڑا کرے۔ البتہ سمیرا کی بات طے ہو جانے کے بعد جب اس نے سنا کہ بڑے ابا کا ارادہ دونوں شادیاں ایک ساتھ کرنے کا ہے۔ تب پہلے اس نے امی کے سامنے زبان کھولی کہ وہ بڑے ابا کو صاف انکار کر دیں لیکن امی نے صاف اپنا دامن بچا لیا۔

''میں کیسے انکار کرسکتی ہوں اور وہ میری مانیں گے کب۔ ان کے لیے جیسے سمیرا ہے ویسے تم۔ کبھی کوئی فرق رکھا انہوں نے؟ پھر میں کیسے تم پر صرف اپنا حق جتا سکتی ہوں۔''

وہ سمجھ گئی۔ امی سے مزید کچھ کہنا فضول ہے اور براہِ راست بڑے ابا سے کہنا بہت مشکل تھا۔ آتے جاتے غزنوی کو سنا کر کہنے لگی۔

''ضرور ان لوگوں میں کوئی خامی ہوتی ہے جو اچھی لڑکیوں کو چھوڑ کر طلاق یافتہ سے شادی کرتے ہیں۔''

دو دن غزنوی اس کی بکواس سن کر نظر انداز کرتے رہے اور جب ان کی برداشت کی حد ختم ہوگئی تب پھر اسے گھسیٹتے ہوئے لے آئے۔

''آخر ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟'' انہوں نے جتنے غصے سے پوچھا وہ اتنے ہی آرام سے بولی۔

''بہت واضح کہ آپ مجھ سے شادی سے باز آجائیں۔''

یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں، لیکن آخر کیوں؟ کیوں شادی نہیں کرنا چاہتیں تم۔ پہلی شادی کی ناکامی سے خوفزدہ ہو یا.....''

''میں کسی بات سے خوفزدہ نہیں ہوں۔'' وہ فوراً بول پڑی۔

''پھر.....؟'' وہ مجسم سوالیہ نشان بن گئے جس سے وہ چڑ کر بولی۔

''پھر کیا، بس مجھے نہیں کرنی شادی۔''

''وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کیوں؟ دیکھو! جب تک تم ٹھوس وجہ نہیں بتاؤ گی، تمہاری کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔''

آخر میں انہوں نے نرم لہجہ اختیار کر کے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔

''اچھی زبردستی ہے۔''

''زبردستی کی بات نہیں ہے نومیہ! تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ چچی جان تمہاری ہی عمر میں بیوہ ہوئی تھیں۔ اس کے بعد ان کا دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط..... یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ یقین سے کہوں گا کہ تم ان کی طرح زندگی نہیں گزار سکتیں۔''

''کیوں؟'' وہ پیشانی پر بے شمار شکنیں ڈال کر بولی۔

''اس لیے کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ محبتیں، رواداریاں سب وقت اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا ہے۔ یہ برسوں پہلے کی بات ہے جب چچی جان تمہاری انگلی تھام کر دوبارہ اس گھر میں داخل ہوئی تھیں تو انہیں یقین تھا کہ یہاں تمہیں باپ نہیں تو باپ جیسی شفقتیں ضرور ملیں گی۔ اور یہ تم جانتی ہو کہ ان کے یقین کو کہیں ٹھیس نہیں پہنچی۔ کیا تمہارے پاس ایسا کوئی یقین ہے؟''

انہوں نے اچانک اسے سامعہ کا احساس دلایا اور ابھی وہ جواب نہیں دے پائی تھی کہ کہنے لگے۔

''میں سامعہ کے دودھیال کی نہیں، یہاں کی بات کر رہا ہوں۔ یہاں بھی کوئی نہیں

urdunovelist.blogspot.com

ہے، سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو جائیں گے۔ پھر تم سامعہ کی زندگی کے اس خلاء کو کیسے پر کرو گی؟''

''اس کا باپ زندہ ہے غزنوی! اور جیتے جی باپ نے اسے جس شفقت سے محروم کر دیا۔ وہ کوئی دوسرا بھی اسے نہیں دے سکتا۔''

اس کے ناگوار سے سخت لہجے پر وہ رُک کر بولے۔

''میں جو دینا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ.....'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ جس طرح براہِ راست ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ اس سے وہ سمجھ گئے کہ اس وقت اسے سمجھانے اور احساس دلانے کی ان کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوگی جب ہی بات ختم کرتے ہوئے بولے۔

''اور میں آپ سے یہ کہوں گی کہ آپ کو سامعہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ ان ہی کے لہجے میں کہہ کر ان کے کمرے سے نکل آئی اور یہ سوچا کہ اب یہ قصہ ختم ہو گیا اور واقعی بات ختم ہو جانی چاہیے تھی لیکن غزنوی جانے کیا سوچے ہوئے تھے کہ اس کے صاف انکار کے باوجود بھی اپنا فیصلہ واپس نہیں لیا بلکہ یوں اطمینان سے تھے جیسے اس کے انکار کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

☆☆☆

دو روز بعد اس نے اتفاق سے امی اور بڑی اماں کو باتیں کرتے سن لیا جس سے اسے پتہ چلا کہ غزنوی نے شادی سے منع نہیں کیا۔ حقیقتاً وہ بری طرح تلملا گئی۔ اس وقت غزنوی گھر پر موجود نہیں تھے اور یہ بھی اچھا ہی ہوا ورنہ وہ اسی وقت غصے میں الٹا سیدھا بک کر چلی آتی۔

بہر حال شام تک اس کا غصہ کم ہوا تو اس نے غزنوی سے بات کرنے کا ارادہ ہی ترک

کر دیا۔ اس کے خیال میں وہ محض ضد پر اتر آئے تھے۔ اور ان کی ضد کو توڑنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اگر وقت ہوتا تو وہ اسی مشکل کام میں لگ جاتی۔ لیکن یہاں تو بڑی اماں شادی کی تاریخ پر بات کر رہی تھیں۔ اس لیے غزنوی سے الجھنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اس رات وہ اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے بڑے ابا کے پاس چلی آئی۔

''کیا بات ہے؟'' بڑے ابا کو یقین تھا کہ وہ کسی کام سے ہی آئی ہوگی۔ پوچھنے کے ساتھ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو وہ سر جھکا کر بولی۔

''وہ بڑے ابا! مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی۔''

''ہاں کہو!'' ان کا لہجہ ہمیشہ نرم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود جانے کیسا رعب تھا کہ ہونٹوں تک آئی بات بھول جاتی تھی اور یہ صرف اسی کے ساتھ نہیں تھا۔ گھر کا ہر فرد ان کے سامنے آ کر اسی طرح پزل ہو جاتا تھا۔ وہ بہت سوچ کر آئی تھی پھر بھی کہنے میں بہت وقت لگا۔

''میں..... میں..... شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''پھر.....؟'' اچھا ہوا انہوں نے کیوں کا سوال نہیں اٹھایا اور اسے بروقت جواب سوجھ گیا۔

''میں پڑھنا چاہتی ہوں۔'' اس کے بعد اسے انتظار کرنا پڑا کیونکہ بڑے ابا یک دم خاموش ہو گئے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے۔ پھر اپنے آپ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''اچھی بات ہے، ضرور پڑھو۔ کم از کم گھر کی دوسری لڑکیوں کی طرح گریجویشن تو کر ہی لو۔''

''سچ بڑے ابا!'' وہ بے اختیار خوشی کا اظہار کر گئی۔ ''میں کالج میں ایڈمشن لے لوں تو آپ میری شادی نہیں کریں گے ناں!''

''پہلے یہ بتاؤ کہ تم واقعی پڑھنا چاہتی ہو یا شادی نہ کرنے کا بہانا ہے۔''

urdunovelist.blogspot.com

بڑے ابا نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا تو وہ سٹپٹائی ضرور لیکن جلدی سے بولی۔

''پڑھنا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب ہے واقعی.....''

''شادی کے بعد بھی تو پڑھ سکتی ہو۔'' بڑے ابا نے کہہ کر پھر فوراً ہی اپنی بات کی نفی کر دی۔ ''نہیں میرا خیال ہے مشکل ہے۔ خیر اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں رد نہیں کر سکتا۔''

''شکریہ بڑے ابا! میں جاؤں؟''

''ہوں۔ اور ذرا غزنوی کو میرے پاس بھیج دو۔''

''جی بہتر۔'' ان کے کمرے سے نکلنے تک وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو رکھ سکی۔ اس کے بعد سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی تھی اور غزنوی کے کمرے میں تو باقاعدہ دندناتی ہوئی داخل ہوئی۔

''بڑے آئے مجھ سے شادی کرنے والے! جایئے آپ کو بڑے ابا بلا رہے ہیں۔''

''خیریت؟'' انہوں نے سرتاپا اسے دیکھا تو گردن اکڑا کر بولی۔

''اپنے ہاں تو سب خیریت ہے اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے میں تو نیک چاہتی ہوں لیکن میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔''

''کیوں نہیں ہوتا۔ سارا دارومدار ہی تمہارے چاہنے پر ہے۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

پتہ نہیں بڑے ابا نے غزنوی سے اور سب گھر والوں سے کیا کہا کہ اس پر کوئی بات نہیں آئی تھی۔ یعنی سب یہی سمجھ رہے تھے کہ بڑے ابا نے فی الحال اس کی شادی ملتوی کر دی ہے۔ وہ گریجویشن کر لے تب سوچیں گے۔ اور غزنوی کے لیے انہوں نے بڑی اماں سے کہہ دیا کہ وہ ان کے لیے کوئی اور لڑکی تلاش کر لیں۔ گو کہ اس گھر میں سیما اور حرا بھی تھیں لیکن دونوں ہی ایک طرح سے منسوب، یعنی سیما کے لیے اس کے ماموں دامن پھیلا چکے تھے اور چھوٹے ابا نے ہامی بھی بھر

لی تھی جبکہ حرا غزنوی سے چھوٹے تیمور کو پسند کرتی تھی۔ تیمور بھی اس کی طرف مائل تھا اور یہ بات کسی سے چھپی نہیں تھی۔ اس لیے غزنوی کی فوری شادی ممکن نہیں ہو سکی۔ اب سمیرا کی شادی کے بعد ہی بڑی اماں اطمینان سے ان کے لیے لڑکی دیکھ سکتی تھیں۔

بہرحال اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا یعنی وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور وہ لاکھ کہے کہ وہ پہلی شادی اور اس کی ناکامی سے خوفزدہ نہیں ہے لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ اندر سے خوفزدہ تھی۔ اس کے ساتھ اچھا بھی تو نہیں ہوا تھا۔ ایک تو کم عمری میں شادی، پھر سسرال والوں کا انتہائی ظالمانہ سلوک! اگر شوہر ہی محبت کرنے والا ہوتا، تب شاید اس کی ڈھارس بندھی رہتی اور محبت میں تو بہت کچھ جھیلا جا سکتا ہے لیکن محبت تو تھی ہی نہیں جبھی تو اس کی خاموشیوں اور خدمت گزاریوں کا صلہ طلاق کی صورت میں ملا۔ اور یقیناً بڑے ابا کو احساس تھا، جب ہی تو بلا چون و چرا اس کی بات مان گئے تھے۔ بعد میں امی سے کہنے لگے۔

''ابھی بچی ہے، سہمی ہوئی بھی ہے۔ اس لیے مجھے مناسب نہیں لگا کہ پھر اس پر اتنی ذمہ داریاں ڈال دوں۔ کچھ وقت گزرنے دو پھر سوچیں گے۔ یوں بھی غزنوی کے ساتھ اس کا جوڑ نہیں بنتا، بہت چھوٹی ہے اس سے۔''

''اتنی چھوٹی بھی نہیں ہے۔'' یہاں امی کو اختلاف ہوا۔

''خیر! تم فکر نہیں کرو۔ وہ میری ذمہ داری ہے اور میں اب جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔''

بڑے ابا نے امی کو اطمینان دلایا اور وہ اطمینان سے ہو کر بھی اس کی فکر سے آزاد نہیں ہو سکیں بلکہ پہلے سے زیادہ فکرمند ہو گئیں اور یہ فطری سی بات تھی۔

☆☆☆

پھر کچھ دنوں میں سمیرا کی شادی کا ہنگامہ شروع ہوا تو آپ ہی آپ اس کی طرف سے سب کا دھیان ہٹ گیا۔ اور وہ دو سال سسرال میں اور کچھ نہیں تو گھر داری تو سیکھ ہی گئی تھی۔ جب

urdunovelist.blogspot.com

ہی پوری شادی میں کچن کا نظام اس نے بہت احسن طریقے سے سنبھالے رکھا۔ وقت بے وقت مہمانوں کی آمد پر چائے کھانا، کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ بڑی اماں، چھوٹی اماں اور امی یعنی گھر کی تینوں خواتین تو سارا وقت جہیز کی لسٹ بنانے اور اس کے مطابق سامان گننے میں لگی رہتیں۔ سیما، حرا اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ کسی کسی وقت آ کر اس کا ہاتھ بٹا دیتیں ورنہ وہ اکیلی ہی ہوتی تھی۔

اس وقت وہ دوپہر کا کھانا بنانے کھڑی ہوئی تھی کہ ادھر سامعہ نے رونا شروع کر دیا۔ امی کچھ دیر پہلے ہی بڑی اماں کے ساتھ بازار گئی تھیں۔ اس نے وہیں سے حرا کو پکار کر سامعہ کو چپ کرانے کو کہہ دیا لیکن سامعہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ وہ یہی سمجھی اس کے آس پاس کوئی موجود نہیں ہے۔ جلدی سے ہاتھ دھو کر کچن سے نکل کر آئی تو حرا اسے گود میں لیے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی، اسے دیکھتے ہی کہنے لگی۔

''یہ مجھ سے چپ نہیں ہو رہی، شاید اسے بھوک لگی ہے۔''

''ابھی تو فیڈر دی تھی۔'' اس نے جیسے ہی سامعہ کو اپنی گود میں لیا، وہ چپ ہو گئی جس پر حرا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ارے! یہ تمہاری گود میں جاتے ہی چپ کیسے ہو گئی۔''

''میری دہشت سے۔'' وہ ہنستی ہوئی سامعہ کو لیے ہوئے دوبارہ کچن میں آ گئی۔ گوشت میں پانی خشک ہو گیا تھا۔ اس نے چولہا دھیما کر کے گھی ڈالا۔ پھر اسی طرح ایک بازو میں سامعہ کو دبائے اور دوسرے ہاتھ میں سالن بھون رہی تھی کہ غزنوی آ گئے۔

''چائے!'' وہ غالباً چائے کا کہنے آئے تھے لیکن اس کے پاس سامعہ کو دیکھ کر برہمی سے بولے۔ ''یہ بچی یہاں کیا کر رہی ہے؟''

''سیکھ رہی ہے۔'' پھر پتیلی ڈھک کر انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''میرا مطلب ہے کھانا پکانا سیکھ رہی ہے۔''

''تم نے سیکھ لیا؟'' وہ چڑ کر بولے۔

''ایسا ویسا! اگر میری جگہ آپ ہوتے تو آپ بھی سب سیکھ جاتے۔'' اس کا اشارہ سسرال کی طرف تھا۔ وہ سمجھ کر قصداً انجان بن گئے۔

''چلو بچی کو اندر لے چلو!''

''امی موجود نہیں ہیں اور یہ کسی اور کے پاس جا نہیں رہی۔ آپ بلا کر دیکھیں۔''

وہ کہتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ پھر سامعہ کو ان کی طرف متوجہ کر کے بولی۔

''جاؤ بیٹا! ماموں کے پاس۔''

اس نے بے ساختہ ماموں نہیں کہا تھا اور جس انداز سے جتایا تھا، وہ بھی اسی طرح جتا کر بولے۔

''یہ کبھی مجھے ماموں نہیں کہے گی۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ اس کی ماں میرا نام لیتی ہے۔ مجھے غزنوی بھائی نہیں کہتی۔ اور اب کہنا بھی مت کیونکہ میں تمہیں پرپوز کر چکا ہوں۔''

وہ اپنی بات کہہ کر فوراً کچن سے نکل گئے اور اس وقت وہ جھنجھلا کر رہ گئی لیکن بعد میں جب موقع ملا، انہیں چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔ دیکھتے ہی سامعہ کو ماموں سکھانا شروع کر دیتی۔

''پہلے اسے اماں کہنا تو سکھاؤ۔'' اصل بات سے بے خبر اس وقت حرا نے اسے ٹوک دیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ غزنوی بول پڑے۔

''اسے اپنے آپ کو مامی کہلوانے کا زیادہ شوق ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ ایک دم سامعہ کو چھوڑ کر ان کی طرف گھوم کر چیخی۔

''جو بھی سمجھ لو.....'' انہوں نے کندھے اچکائے اور فوراً آگے بڑھ گئے تو حرا کی ہنسی کی آواز پر وہ اس کی طرف پلٹ کر بولی۔

urdunovelist.blogspot.com

''ان سے تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گی۔''

''میرا خیال ہے، غزنوی بھائی تمہارا بہت لحاظ کر رہے ہیں۔ کسی دن سچ مچ تمہیں پیٹ کر رکھ دیں گے۔'' حرا نے اسے متوقع خطرے سے آگاہ کیا تو وہ ہنستی ہوئی بولی تھی۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔''

☆☆☆

پھر سمیرا کی شادی کے بعد اس نے حرا کے کالج میں ایڈمشن لے لیا اور اس کے ساتھ جانے آنے لگی تو ایک بار پھر اسے افسوس ہونے لگا۔ کہ اگر امی اس کی شادی کے لیے ضد نہ کرتیں تو اب وہ حرا کے ساتھ بی اے میں ہوتی۔ ابھی بھی کوئی یقین نہیں کرتا تھا کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے گزر کر آئی ہے۔ بہر حال اب تو صرف شادی سے بچنے کے لیے اس نے یہ راستہ چنا تھا اور ابتداء میں تو جیسے بہت مجبوری کے عالم میں بہت بے دلی سے کالج جاتی تھی۔ اگر بڑے ابا کی طرف سے ذرا سی ڈھیل مل جاتی تو وہ پرائیویٹ امتحان دینے کا کہہ کر اطمینان سے گھر بیٹھ جاتی۔ لیکن یہاں پر ابا نے ذرا بھی رعایت نہیں کی۔ یوں وہ پابند ہو گئی تھی لیکن پھر دھیرے دھیرے اسے اچھا لگنے لگا۔

کچھ وقت کالج اور دوستوں کے درمیان وہ بالکل بھول جاتی کہ اس کی زندگی میں کوئی طوفان آ کر جا چکا ہے۔ اس کے برعکس جیسے ابھی سکول سے نکل کر کالج میں آئی ہو۔ وہی روٹین شروع ہو چکی تھی۔ کالج سے آ کر کھانا کھاتے ہی سو جاتی۔ شام کا کچھ وقت کزنز کے ساتھ باتوں اور چھیڑ چھاڑ میں گزرتا، پھر رات کا کھانا وہ اور حرا مل کر پکاتی تھیں۔ کھانے کے بعد ٹی وی دیکھنا بھی ضروری تھا کیونکہ کالج میں لڑکیاں ڈراموں پر تبصرہ کرتیں تو وہ خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر دس بجے کتابیں لے کر بیٹھی تو خواہ دل مائل ہو یا نہ ہو اسے دو گھنٹے ضرور پڑھنا ہوتا تھا، یہ اس نے طے کر لیا تھا لیکن سامعہ کے لیے اس نے کوئی وقت طے نہیں کیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے بچی سے محبت نہیں تھی۔ ظاہر ہے ماں تھی اور اس کے لیے وہی جذبات رکھتی تھی لیکن اپنی زندگی کے تلخ تجربے کے

باعث اپنے جذبات کا اظہار کم ہی کرتی تھی۔ دوسرے سامعہ اس سے زیادہ امی سے مانوس تھی۔ اب تو وہ سوتی بھی انہی کے ساتھ تھی، جب ہی اس کی طرف سے وہ اطمینان سے ہونے کے ساتھ کچھ لاپروا بھی ہو گئی تھی۔ البتہ امی کو وہ اس پر حد درجہ محبتیں نچھاور کرنے پر ٹوکتی ضرور تھی۔ اور یہ یقیناً اس کے لاشعور میں چھپا خوف تھا جو وہ اب بھی اپنی مثال دے کر کہتی تھی۔

''جیسا میرے ساتھ کیا اس کے ساتھ نہیں کریں۔ یہیں سے اسے سختی جھیلنے کی عادت ڈالیں۔ کون جانے آگے راستے کتنے دشوار ہوں۔''

سامعہ اب چلنے لگی تھی۔ اس وقت برآمدے کی سیڑھی اترتے ہوئے وہ لڑھک کر نیچے آ رہی۔ وہ سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی لیکن بڑھ کر اسے اٹھایا نہیں بلکہ وہیں سے کہنے لگی۔

''اٹھ جاؤ بیٹا! شاباش۔'' روتی ہوئی بچی نے اس کی طرف بازو پھیلا دیے۔ پھر بھی وہ آگے نہیں بڑھی۔ تب ہی غزنوی کمرے سے نکل آئے تو پہلے انہوں نے بے اختیار بچی کو اٹھایا، پھر اسے دیکھ کر کسی قدر سختی سے بولے۔

''حرا تمہیں ظالم ماں ٹھیک کہتی ہے۔'' اس نے بجائے احتجاج کرنے کے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے۔ پھر پوچھنے لگی۔

''اور آپ کیا کہتے ہیں؟''

غزنوی بچی کو چپ کرانے میں لگے ہوئے تھے۔ یوں بھی اب وہ اس سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔ ابھی بھی ان سنی کر گئے، تب وہ ان کے پاس آ کر ایک طرح سے اپنا حق جتا کر بولی۔

''لائیے! میری بیٹی کو مجھے دیں۔''

''تمہاری بیٹی!'' انہوں نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا، پھر کہنے لگے۔

''بلا کر دیکھو، اگر یہ تمہارے پاس آ گئی تو مان لوں گا کہ یہ صرف تمہاری بیٹی ہے۔''

''چیلنج کر رہے ہیں؟''

urdunovelist.blogspot.com

''ہاں!'' انہوں نے اپنے کندھے سے لگی سامعہ کا چہرہ اس کی طرف موڑا تو وہ فوراً اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر بولی۔

''آؤ سامعہ! میرے پاس آؤ میری گڑیا، میری بیٹی، آؤ شاباش!''

وہ جتنا اسے پچکار رہی تھی، بچی اسی قدر غزنوی کے گلے میں بازو ڈال کر جیسے ان میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دو بار غزنوی نے بھی بچی سے اس کے پاس جانے کو کہا لیکن وہ ان سے الگ ہونے کو تیار ہی نہیں ہوئی۔ جب کہ وہ لہجے میں زمانے بھر کی مٹھاس اور پیار سمو کر بلا رہی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے اس پر جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی۔ اس کے بعد غصہ، بچی کو آنکھیں دکھا کر بولی۔

''میرے پاس آؤ ورنہ.....''

''بس!'' غزنوی نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا اور مزید کچھ جتائے بغیر بچی کو لیے ہوئے باہر نکل گئے تو کچھ دیر تک وہ ان کے پیچھے نظریں جمائے کھڑی رہی۔ پھر اپنے آپ دانت پیس کر بڑبڑا رہی تھی۔ کہ حرا کو دیکھ کر فوراً اس سے کہنے لگی۔

''سنو! یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔''

''کیا..... کیا ٹھیک نہیں ہو رہا؟'' حرا نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی اور کو موجود نہ پا کر نظریں اس پر جمائیں تو وہ اسی طرح غصے سے بولی۔

''سامعہ کو مجھ سے متنفر کیا جا رہا ہے۔'' حرا بے ساختہ ہنس پڑی جس پر وہ مزید تلملا گئی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''واقعی! یہ تو سوچنے کی بات ہے۔ کون متنفر کر رہا ہے اسے تم سے؟'' حرا نے بمشکل ہنسی روک کر پوچھا۔

''تم سب! تم سب اس سازش میں شریک ہو۔''

''کیا کہا؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ سامعہ کے سامنے تم لوگ مجھے ظالم اور نجانے کیا کیا کہتے ہو۔ اب وہ ڈر سے میرے پاس آتی بھی نہیں۔''

''تمہاری حرکتوں کی وجہ سے نہیں آتی۔'' حرا اس کی بات سے چڑ کر بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ بچے صرف پیار کی زبان سمجھتے ہیں۔''

''میں اس سے پیار نہیں کرتی کیا؟''

''ضرور کرتی ہو لیکن اظہار نہیں کرتیں۔ اس کے برعکس اپنے سارے تلخ تجربات اسی وقت اسے گھول کر پلا دینا چاہتی ہو اور ٹوکنے پر دھڑلے سے کہتی ہو کہ یہ اسی وقت سے سیکھے گی، یعنی ڈیڑھ سال کی بچی کو تم زمانے کی اونچ نیچ سکھانا چاہتی ہو۔ بس کرو نومیہ! اتنا ظلم مت کرو۔''

حرا کے لہجے میں دکھ کے ساتھ تاسف بھی تھا، پھر کہنے لگی۔

''مجھے افسوس ہوا تمہاری بات پر، سامعہ کو تم سے متنفر کر کے کسی کو کیا ملے گا؟ بتاؤ؟''

حرا کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ جز بز سی ہو کر نظریں چرا گئی لیکن اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ہو سکتا ہے حرا کی باتوں کو کچھ وقت اس نے سوچا ہو لیکن اس پر اثر کچھ نہیں ہوا۔ شاید اس لیے کہ جو کچھ اس پر بیتا تھا اس کے نقوش گہرے تھے۔ بھلانا چاہتی بھی تو نہیں بھول سکتی تھی۔ پھر اس کے دماغ میں یہ بات بھی بیٹھ گئی تھی کہ امی نے اسے کچھ نہیں سکھایا تھا۔ اگر زمانے کی اونچ نیچ سکھائی ہوتی، کچھ سختیاں جھیلنے کی عادت ڈالی ہوتی تو وہ حالات سے لڑ سکتی تھی۔ سسرال والے یوں اسے نکال باہر نہ کرتے۔ اور اپنی اسی سوچ کے باعث کسی کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ اور غزنوی کے چیلنج اور ان کے بعد حرا کی باتوں کے بعد سے اب وہ یہ کوشش بھی کرنے لگی تھی کہ سامعہ کو کسی کے پاس نہ جانے دے۔ یعنی اس کے

urdunovelist.blogspot.com

خیال میں اتنا لاڈ پیار بچی کے لیے نقصان دہ تھا۔ براہِ راست تو کسی کو منع نہیں کر سکتی تھی، بس بہانے سے سامعہ کو بلا لیتی لیکن زیادہ دیر تک وہ سامعہ کو اپنے پاس نہیں بٹھا سکتی تھی کیونکہ اس گھر میں ایک وہی چھوٹی بچی تھی۔ اس لیے سب کی توجہ کا مرکز وہی تھی۔ جس وقت جو فارغ ہوتا، سامعہ سامعہ پکارتا چلا آتا۔ یہاں تک کہ بڑے ابا اور چھوٹے ابا بھی گھر میں داخل ہوتے ہی پہلے سامعہ کو پکارتے تھے اور وہ کس کس کو منع کرتی۔

اس وقت وہ کالج سے لوٹی تھی۔ کھانے کے بعد جب سونے لگی تو سامعہ کو زبردستی اپنے ساتھ لٹا کر تھپک تھپک کر سلانے لگی۔ امی نے دیکھا تو ٹوکتے ہوئے بولیں۔

''کیوں زبردستی سلا رہی ہو؟ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو سو کر اٹھی ہے۔ لاؤ مجھے دے دو۔''

''نہیں، سو جائے گی۔'' وہ سامعہ کو اور زور سے تھپکتے ہوئے کہنے لگی۔

''آئندہ اسے بے وقت نہیں سلانا۔ میرے ساتھ سوئے گی اور میرے ساتھ اٹھے گی۔''

''بچوں کے سونے جاگنے کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔'' امی نے کہتے ہوئے سامعہ کو زبردستی اس کے پاس سے اٹھا لیا، پھر کمرے سے نکلتے ہوئے بولیں۔ ''تم سو آرام سے!''

''ہونہہ آرام سے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

پھر شام میں سو کر اٹھی تو امی عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ جیسے ہی انہوں نے سلام پھیرا، اس نے سامعہ کا پوچھا۔ جس پر امی خفا ہو کر بولیں۔

''یہ تم سامعہ کے لیے اتنی وہمی کیوں ہو گئی ہو؟ کوئی اسے تم سے چھین تو نہیں رہا اور چھین کر جائے گا بھی کہاں۔ سب یہیں رہتے ہیں۔''

''آپ کیا سمجھیں گی۔'' وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل کر آئی تو برآمدے میں سیمل مل گئی۔ اس نے فوراً اس سے سامعہ کا پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''سامعہ اس وقت اپنے پاپا کے پاس ہے۔''

''کیا!'' وہ چیخ پڑی۔ ''کون لے کر گیا ہے، کس کی اجازت سے.....؟''

''ارے رے۔'' سیما ایک دم سٹپٹا گئی۔ ''میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔''

''پھر کیا مطلب ہے تمہارا۔ بتاؤ سامعہ کہاں ہے؟''

''ابھی غزنوی بھائی اوپر.....''

بات ابھی سیما کے ہونٹوں میں تھی کہ اس نے زینے کی طرف دوڑ لگا دی اور دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آئی۔ اصل میں وہ سیما کی پہلی بات سے پریشان ہو گئی تھی۔ کہ سامعہ اپنے پاپا کے پاس ہے۔ پتہ نہیں اس نے ایسا مذاق کیوں کیا تھا۔ اس کی بہرحال جان پر بن آئی تھی۔ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ غزنوی کے کمرے میں داخل ہوئی اور سامعہ کو ان کی گود سے جھپٹ کر اپنے سینے میں زور سے بھینچتی ہوئی گویا اس کے ہونے کا یقین کرنے لگی۔ جب کہ بچی اس کے بازوؤں کے تنگ حلقے میں رونے لگی تھی۔ جب اس نے خود کو یقین دلا کر آنکھیں کھولیں تب غزنوی پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟'' وہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ روتی ہوئی سامعہ، غزنوی کی طرف بازو پھیلا کر بولی۔

''پاپا.....! پاپا.....!''

''پاپا.....'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اس نے حیران ہو کر سامعہ پھر غزنوی کو دیکھا اور سیما کی بات سمجھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''اسے پاپا کہنا کس نے سکھا دیا؟''

''میں نے، تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟''

انہوں نے جواب کے ساتھ ہی سوال کر دیا تو وہ سامعہ کو ان کی گود میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''لیکن آپ اس کے پاپا کبھی نہیں بن سکتے۔'' اس کے ساتھ ہی جانے لگی کہ وہ پکار کر

urdunovelist.blogspot.com

بولے۔

''سنو! حقائق سے نظریں چرانا بزدلی ہے۔اپنے ساتھ ساتھ تم اس بچی پر بھی ظلم کر رہی ہو۔''

خلافِ توقع وہ کچھ نہیں بولی اور ایک نظر ان پر ڈال کر فوراً کمرے سے نکل گئی تو کچھ دیر تک غزنوی اس کی خاموشی کو سوچتے رہے لیکن کوئی معنی نہیں پہنا سکے۔ کیونکہ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ ابھی اگر خاموش ہوگئی تھی تو کچھ دیر بعد باقاعدہ ان کے خلاف محاذ کھول کر کھڑی ہو سکتی تھی۔اور وہ اسی بات سے چڑتے تھے کہ کسی کا لحاظ ہی نہیں کرتی تھی۔ کسی کسی وقت ان کا دل چاہتا تھا، سب کے درمیان اس کے منہ پر زوردار تھپڑ دے ماریں کہ وہ پہلے جیسی ہو جائے جیسی شادی سے پہلے ہوا کرتی تھی لیکن پھر وہ اپنے آپ کو ٹوک کر سمجھاتے تھے کہ ٹھیک تو ہے۔اس کمزور سی لڑکی نے کیا پایا۔اب کم از کم اپنے لیے لڑ تو سکتی ہے۔اور ہو سکتا ہے کبھی اپنے لیے مثبت انداز سے سوچنا شروع کر دے۔ابھی تو پتہ نہیں کیا سوچے ہوئے تھی۔ بہرحال یہ بھی غنیمت تھا کہ سامعہ کو اس نے پاپا کہنے سے منع نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

حرا نے گریجویشن کر لیا تو ایک بار پھر گھر میں شادی کے تذکرے ہونے لگے۔ شاید چھوٹے ابا اسی انتظار میں تھے۔ تین چار ماہ پہلے جب سیما کے ماموں نے شادی پر اصرار کیا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ چند مہینوں کی بات ہے۔حرا گریجویشن کر لے پھر وہ دونوں بیٹیوں کی ایک ساتھ شادی کریں گے۔ادھر بڑے ابا بھی غزنوی اور تیمور کی ایک ساتھ کرنا چاہتے تھے لیکن غزنوی کا پھر وہی مسئلہ تھا۔ گو کہ سیما کی شادی کے بعد سے بڑی اماں نے ان کے لیے کافی لڑکیاں دیکھی تھیں اور وہ ایک تو انہیں پسند بھی بہت تھیں لیکن غزنوی کسی کے لیے ہامی نہیں بھر رہے تھے۔اور صاف منع بھی نہیں کرتے تھے۔ابھی بھی بڑی اماں کے پوچھنے پر کہنے لگے۔

''جلدی کیا ہے؟ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے جب میری شادی کا وقت ہوگا، ہو جائے

گی۔ابھی تو آپ تیمور کی کریں۔''

''تیمور کی تو کر ہی رہے ہیں لیکن مجھے تمہاری فکر ہے۔اس گھر میں تم سب سے بڑے ہو اور اس حساب سے سب سے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہیے تھی۔''

بڑی اماں نے انہیں بڑے ہونے کا احساس بھی دلایا جس پر وہ بڑے آرام سے تائید کرتے ہوئے بولے۔

''ٹھیک کہا آپ نے لیکن آپ ہی لوگوں نے الٹا چکر چلایا۔یعنی جو سب سے چھوٹی تھی پہلے اس کی شادی کر دی تو اب اسی ترتیب سے چلیں اور اس حساب سے میری باری سب سے آخر میں آئے گی۔''

''کیا فضول بات کر رہے ہو! ہم میں سے کوئی بھی نومیہ کی شادی کے حق میں نہیں تھا۔ بچی کی عمر ہی کیا تھی لیکن اس کی ماں.....''

''کچھ بھی تھا۔شادی تو ہوئی ناں اس کی۔'' وہ ٹوک کر بولے تو بڑی اماں کچھ دیر تک پُر سوچ انداز میں انہیں دیکھتی رہیں، پھر کہنے لگیں۔

''جب وہ لڑکی مانتی ہی نہیں تو ہم کیا کریں۔زبردستی تو کر نہیں سکتے البتہ اس وقت ہو سکتی تھی جب تم باہر جا رہے تھے۔اگر اشارتاً بھی کہہ دیتے تو ہم اسی وقت تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیتے۔شادی تمہارے آنے پر ہو جاتی۔''

''اس وقت میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔'' وہ صاف گوئی سے بولے۔پھر فوراً موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگے۔''سمیرا کو کچھ دنوں کے لیے بلا لیجئے۔اتنا کام بڑھ جائے گا، آپ کا کچھ ہاتھ ہی بٹا دے گی۔''

''ہاں! میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔''

''کہیں تو لے آؤں؟''

''نہیں! صبح اس کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی واثق لاہور جا رہا ہے اس کے بعد آئے

urdunovelist.blogspot.com

گی۔"

"اچھا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے محض اس خیال سے کہ کہیں پھر ان کی ذات موضوع نہ بن جائے۔ اور کمرے سے نکلنے لگے کہ بڑی اماں پکار کر بولیں۔

"سنو! میں تمہاری چچی جان سے بات کرتی ہوں، شاید نومیہ مان جائے۔ نہیں تو تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔"

انہوں نے پُرسوچ انداز میں ذرا سا اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے نکل گئے۔

اور امی تو خود دل سے یہی چاہتی تھیں بلکہ ان کے نزدیک یہ نومیہ کی انتہائی خوش نصیبی تھی ورنہ ایک طلاق یافتہ اور پھر بچی کی ماں کو کون قبول کرتا ہے۔ پتہ نہیں نومیہ اس حقیقت کو کیوں نہیں سمجھ رہی تھی۔ اس بار انہوں نے کچھ سختی سے کام لے کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ چیخ پڑی۔

"مجھے شادی ہی نہیں کرنی، غزنوی سے نہ کسی اور سے۔ آپ کیوں خواہ مخواہ مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ کوئی اور مجھے قبول نہیں کرے گا۔"

"لیکن بیٹا! غزنوی تو پورے خلوص سے....."

"نہیں چاہیے مجھے کسی کا خلوص۔ آخر آپ کی سمجھ میں میری بات کیوں نہیں آتی۔ بار بار میرے منہ سے انکار کیوں سننا چاہتی ہیں۔"

"انکار ہی تو نہیں سننا چاہتی میں۔" امی کے عاجزی سے کہنے پر وہ کچھ نرم پڑ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"آپ یہ موضوع چھیڑتی ہی کیوں ہیں۔ جب ایک بار میں منع کر چکی ہوں تو دوبارہ یہ سوال کیوں اٹھتا ہے۔ میں اب آخری بار آپ سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"ساری زندگی ایسے کیسے گزار دو گی بیٹا!"

"آپ نے کیسے گزار دی؟" وہ فوراً بول پڑی۔ "اب یہ مت کہہ دیجئے گا کہ آپ کی

بات اور تھی۔ یہی حالات آپ کے بھی تھے اور میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔"

"میری بیٹی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرے ہی راستے پر چلو۔ بڑا کٹھن راستہ ہے۔"

"جانتی ہوں۔" اس نے پتہ نہیں کس حساب سے دعویٰ کیا اور فوراً ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔ پھر کتنے چکر اوپر کے لگا ڈالے لیکن غزنوی سے سامنا نہیں ہوا۔ پتہ نہیں کہاں چلے گئے تھے اور ہمیشہ تو وہ کہیں سے بھی انہیں پکار لیتی یا بڑے آرام سے کسی سے بھی پوچھ لیتی لیکن اس وقت پتہ نہیں کیا بات تھی، وہ بڑی اماں کے پاس آئی بھی لیکن ان کے بارے میں نہیں پوچھ سکی۔ رات کے کھانے پر بھی وہ نظر نہیں آئے۔ اس کے بعد معمول سے زیادہ وقت اس نے ٹی وی لاؤنج میں گزارا۔

جب امی سامعہ کو لے کر سو گئیں تب بھی وہ اپنی کتابیں لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔ کیونکہ غزنوی کو یہیں سے گزر کر جانا تھا۔ اور وہ ان سے اسی وقت بات کرنا چاہتی تھی۔ گیارہ بج رہے تھے جب وہ آئے اور وہ کیونکہ انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس لیے دیکھتے ہی بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

"کیوں؟" انہوں نے رُک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو بس ایک لحظہ کو سٹپٹائی۔ پھر فوراً اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"کیوں کا کیا مطلب؟"

"مطلب ہے جب ہی تو پوچھ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب ہے؟" وہ اب براہِ راست ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو وہ چند قدم آگے آ کر بولے۔

"پہلے تو تم نے کبھی نہیں پوچھا تھا۔ میں کہیں بھی گیا، کسی بھی وقت آیا۔"

urdunovelist.blogspot.com

''اب پوچھ کر گنہگار ہوگئی ہوں کیا؟''

''نہیں۔'' وہ حقیقتاً جھنجھلا گئے۔ کیونکہ جو جاننا چاہ رہے تھے، جان نہیں پائے اور وہ بڑے آرام سے کتابیں ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر انہیں دیکھ کر بولی۔

''خواہ مخواہ کیوں الجھ رہے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے، میں آپ کا انتظار کر رہی تھی کیونکہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ یہیں بیٹھیں گے یا.....''

''میرے کمرے میں آؤ!'' وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور ان کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے اور کچھ نہیں سوجھا تو دھیرے دھیرے گنگنانے لگی۔ کوئی اوٹ پٹانگ قسم کا گیت تھا جب ہی انہوں نے توجہ نہیں دی بلکہ آخر میں کئی سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ گئے۔ اپنے کمرے میں آکر لائٹ آن کی۔ پھر بیٹھ کر شوز اُتار رہے تھے، تب وہ داخل ہو کر پوچھنے لگی۔

''کھانا کھائیں گے؟''

''نہیں، میں ایک دوست کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بہاری کباب بہت اچھے بناتی ہے۔''

''تو ابھی آپ بہاری کباب کھا کر آرہے ہیں۔ وہ بھی دوست کی بیوی کے ہاتھ کے.....'' پھر تاسف بھری ہمدردی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

''ظاہر ہے اپنی بیوی تو ہے نہیں، دوستوں کی بیویاں ہی سہی۔''

''دیکھو! میں اس وقت کوئی فضول بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، تمہیں اگر اسی قسم کی بکواس کرنی ہے تو فوراً چلی جاؤ۔''

وہ ٹوکتے ہوئے اُٹھ کر واش روم میں چلے گئے۔ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئے تو وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ اور وہ چاہنے کے باوجود نظر انداز نہیں کر سکے۔ بیٹھتے ہی پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے، کچھ پریشان ہو؟''

''ہاں! اور میری پریشانی کا سبب آپ ہیں۔''

وہ بغیر کسی لحاظ کے ایک دم سے انہیں کٹہرے میں کھینچ لائی۔

''کیا آپ نے مجھے اپنی ضد بنا لیا ہے کہ ہر صورت مجھ سے شادی کریں گے۔ کیوں؟''

''ضد تو واقعی ہوگئی ہے مجھے لیکن میری ضد تم نہیں ہو۔'' انہوں نے رسان سے جواب دیا اور وہ بالکل نہیں سمجھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''بہت سیدھا سادا مطلب ہے لیکن تم نہیں سمجھو گی حالانکہ خود کو بہت عقلمند سمجھنے لگی ہو اور خود پر کتنے بھی خول چڑھا لو، اندر سے وہی سہمی ہوئی بزدل سی لڑکی ہو۔''

''جی نہیں!'' وہ چیخ کر ٹوکتی ہوئی بولی۔ ''میں کیا ہوں اور خود کو کیا سمجھتی ہوں۔ یہ تو آپ رہنے ہی دیں۔ بس مجھے میری بات کا جواب چاہیے۔''

''کون سی بات کا؟'' وہ قصداً انجان بن کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے تو وہ زچ ہو کر بولی۔

''یہی کہ مجھ سے شادی کی کیا ضد ہے؟'' انہوں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ریک تک گئے۔ وہیں کھڑے ہو کر سگریٹ سلگایا۔ پھر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے دوبارہ آکر بیٹھے تو کہنے لگے۔

''دیکھو! میں کوئی نوعمر جذباتی لڑکا نہیں ہوں جو یہ کہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا تم ایسی ہی کوئی بات سننا چاہتی ہو؟''

انہوں نے اچانک اسے دیکھ کر پوچھا تو وہ ایک دم اُچھل کر بولی۔

''جی نہیں۔''

''بہر حال ایسی کوئی خواہش ہے بھی تو انہونی نہیں ہے اور جہاں تک شادی کا سوال ہے تو میں نے جذبات میں نہیں بلکہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے اور مجھے تم سے زیادہ سامعہ کا

urdunovelist.blogspot.com

خیال ہے۔ پتہ نہیں تم کس بنا پر، اس بچی کو محروم رکھنا چاہتی ہو۔ حالانکہ میں تمہیں اس وقت سے بھی آگاہ کر چکا ہوں جب سب اپنے اپنے بال بچوں میں مصروف ہو جائیں گے۔ پھر بھی تم سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہیں یا قصداً نظریں چُرا رہی ہو۔ کچھ بھی ہے تمہاری ضد نہ صرف بچی بلکہ خود تمہارے حق میں بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

قدرے توقف سے پھر کہنے لگے۔

"تم ابھی کم عمر ہو، نادان ہو، میں نہیں چاہتا کہ چند سال بعد احساس ہونے پر تمہارے پاس سوائے پچھتاووں کے اور کچھ نہ ہو۔ ابھی وقت تمہاری دسترس میں ہے۔ سامعہ کو باپ کی اور تمہیں سائبان کی ضرورت ہے۔ اس حقیقت سے انکار کر کے اس وقت کو مت گنواؤ۔"

وہ جس خاموشی سے انہیں سن رہی تھی، اس سے وہ یہی سمجھے کہ قائل ہو رہی ہے، جبھی آخر میں پرامید نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ تو وہ گہری سانس سینے کے اندر روک کر پُرسوچ انداز میں بولی۔

"سامعہ کو باپ کی اور مجھے سائبان کی ضرورت ہے، یہی کہا ناں آپ نے۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا، تو کچھ طنز آمیز تلخی سے بولی۔

"اور آپ ہماری ضرورت۔"

"ایک منٹ۔" وہ فوراً ٹوک کر بولے۔ "سوچ سمجھ کر بولنا۔ میں کوئی بھی غلط، بے ہودہ بات برداشت نہیں کروں گا۔"

"اور میں جو اتنی دیر سے برداشت کر رہی ہوں وہ!"

"کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"ٹھیک بھی نہیں کہا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ہمیں آپ کی۔ سامعہ کا باپ زندہ ہے۔ جب کبھی وہ اس کی ضرورت محسوس کرے گی میں اسے اس کے پاس بھیج دوں گی۔ سمجھے آپ!"

اپنی باتوں کا الٹا اثر دیکھ کر ان کا دماغ گھوم گیا۔ اور سچ مچ اس کے منہ پر طمانچہ مارنے کے لیے اٹھے تھے لیکن اس سے پہلے ہی وہ کرسی کو ٹھوکر مارتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آئی۔ بے حد تلملائی ہوئی تھی۔ نیچے آ کر کتنی دیر تک اپنے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی۔ توہین کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ یعنی وہ مسلسل اس کی ضرورت کو جتا کر ایک طرح سے اس کی جھولی میں خیرات ڈالنا چاہتے تھے۔ اب ایسی بھی ضرورت مند نہیں تھی وہ۔

"سامعہ کو باپ کی اور تمہیں سائبان کی ضرورت ہے....."

اُف ان کا یہ جملہ مسلسل اس کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ کچھ اور سوچا ہی نہیں گیا۔ حالانکہ اس وقت وہ انہیں اپنا ہمدرد و ہمدم جان کر ان کے پاس گئی تھی تاکہ انہیں بتا سکے کہ جن آنے والے وقتوں کی وہ نشاندہی کرتے ہیں، ان سے وہ خود آگاہ ہے۔ اور یہ بھی جانتی ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا۔

"زمانہ بدل گیا ہے۔ محبتیں، رواداریاں سب وقت اپنے ساتھ بہائے لیے جا رہا ہے۔ یہ برسوں پہلے کی بات ہے جب چچی جان تمہاری انگلی تھام کر دوبارہ اس گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ تو انہیں یقین تھا کہ یہاں تمہیں باپ نہیں تو باپ جیسی شفقتیں ضرور ملیں گی۔ اور یہ تم جانتی ہو کہ ان کے یقین کو کہیں ٹھیس نہیں پہنچی۔ کیا تمہارے پاس ایسا کوئی یقین ہے؟"

اور واقعی اس کے پاس ایسا کوئی یقین نہیں تھا۔ سب کی محبتوں کے باوجود وہ جانتی تھی کہ سامعہ کے لیے کوئی بھی بڑے ابا اور چھوٹے ابا نہیں بن سکتا۔ ایسے میں غزنوی کا سامعہ کو باپ کی شفقت دینے کا دعویٰ حقیقتاً اس کی تاریک راہوں میں جگمگاتی کرن کی مانند تھا لیکن وہ اتنی مجبور و بے بس تھی یا کر دی گئی تھی کہ چاہتی بھی تو اس کرن سے اپنی زندگی میں اجالا نہیں کر سکتی تھی۔ اصل میں اندر سے وہ ابھی بھی بہت سہمی ہوئی تھی کیونکہ بات صرف اتنی سی نہیں تھی کہ سسرال والوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔

وہ سارے ظلم و زیادتیاں بھلا سکتی تھی لیکن ان کے مظالم کی حد وہیں پر ختم نہیں ہو گئی تھی

urdunovelist.blogspot.com

بلکہ آگے بھی انہوں نے اس کے لیے زندگی کے راستے بند کر دیے تھے کہ اسے گھر سے نکالتے ہوئے اس کے شوہر عارف نے اس سے ایک سادہ اشٹام پیپر پر سائن لے کر پھر اس کے اوپر یہ تحریر لکھی تھی کہ اگر وہ دوسری شادی کر لے گی تو سامعہ پر اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور وہ اپنے سارے حقوق چھوڑ سکتی تھی لیکن سامعہ سے دوری کا تصور ہی سوہان روح تھا۔ یہ بات اگر وہ اول روز ہی بڑے ابا کو بتا دیتی تو وہ اس کا کوئی حل سوچ سکتے تھے۔ بلکہ یقیناً وہ اس سلسلے میں کوئی اقدام کرتے لیکن وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ ابھی تک کسی کو نہیں بتایا تھا۔ غزنوی ٹھیک کہتے تھے کہ وہ خود پر کتنے بھی خول چڑھا لے اندر سے وہی سہمی ہوئی بزدل سی لڑکی ہے اور اس بزدل لڑکی کو بس یہی خوف تھا کہ کہیں عارف سامعہ کو اس سے چھین نہ لے۔ جب ہی آنے والے وقتوں سے آگاہی کے باوجود شادی سے انکاری تھی۔ اور بار بار انکار کے بعد بھی جب اس نے دیکھا کہ غزنوی اپنی ضد پر قائم ہیں، اور سامعہ کو بھی انہوں نے خود سے بہت مانوس کر لیا ہے۔ تب ان ساری باتوں کے پیچھے کسی بے نام جذبے کا گمان ہوتے ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ غزنوی کو اپنے انکار کی اصل وجہ بتا کر پوچھے گی کہ اب وہ اس کے لیے کیا کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے صرف اس کی ضرورت کو جتا کر حقیقتاً اسے مایوس کر دیا تھا۔

زندگی بھر کا بندھن اگر صرف ضرورت کی بنیاد پر نبھایا جا سکتا تو وہ عارف کے پاؤں پڑ کر اس کی منتیں کر لیتی کہ وہ اسے اپنے در پر پڑا رہنے دے۔ کاش غزنوی کوئی اور تعلق ظاہر کرتے۔ گہری نہ سہی تھوڑی سی وابستگی۔ تب وہ انہیں اپنے خوف سے آگاہ کر کے خود اطمینان سے ہو جاتی اور اطمینان تو دور کی بات، انہوں نے تو اس کا اپنی ذات پر مان بھی چھین لیا تھا۔ اسے ضرورت مند کہہ کر، جس سے وہ اس بری طرح تلملائی ہوئی تھی کہ اگلے روز عین اس وقت جب سامعہ پاپا، پاپا پکارتی ہوئی ان کی طرف بڑھ رہی تھی، اس نے درمیان میں آ کر بچی کے پھول سے رخسار پر زوردار تھپڑ دے مارا اور دانت پیس کر بولی۔

"یہ تمہارے پاپا نہیں ہیں۔"

سامعہ اس کے تھپڑ سے دور جا گری تھی۔ اور ظاہر ہے بلبلا کر رو رہی تھی۔ جبکہ غزنوی بس ایک پل کو سناٹے میں آئے، پھر اس پر برس پڑے۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ اتنی سی بچی کو مارتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے سامعہ کو اٹھانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی اس نے بچی کو کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا جس سے وہ اور زیادہ رونے لگی۔

"کیا بات ہے؟" ادھر سے امی، اُدھر سے بڑی اماں اور باری باری سب نکل کر آ گئے تو اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

"میری بچی ہے، میں اسے ماروں یا پیار کروں، کوئی نہیں روک سکتا مجھے۔ اور بڑی اماں! پوچھیں غزنوی سے، یہ کون ہوتے ہیں میرے ہاتھ توڑنے والے۔" بڑی اماں نے غزنوی کو دیکھا تو وہ بھی غصے سے بولے۔

"بالکل! میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گا اگر آئندہ اس نے سامعہ کو مارا تو۔"

"ماروں گی۔"

"نومیہ!" بڑی اماں نے تنبیہی لہجے میں اسے ٹوکا۔ "کیوں مارو گی اتنی سی بچی مار کھانے کے لائق ہے؟"

"آپ کو نہیں پتہ بڑی اماں، یہ بہت بدتمیز ہو گئی ہے۔" اس کی بات پر جہاں غزنوی نے ہونہہ کے انداز میں سر جھٹکا وہاں حرا اور سیما منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگیں۔

"تو بیٹا! پیار سے سمجھاؤ۔ مارنے سے تو ڈھیٹ ہو جائے گی۔" بڑی اماں نے کہا تو غزنوی احتجاج کرتے ہوئے بولے۔

"کیا بات کرتی ہیں اماں! یہ دو سال کی بچی کیا بدتمیزی کر سکتی ہے، ابھی تو اسے کسی بات کی سمجھ ہی نہیں ہے۔"

urdunovelist.blogspot.com

''مجھے تو ہے۔'' وہ فوراً بول پڑی اور اس سے پہلے غزنوی اس کا مذاق اڑاتے وہ انہیں دیکھ کر کہنے لگی۔ ''اور آپ کو بھی سمجھنا چاہیے کہ ابھی تو ناسمجھی میں آپ کو پاپا کہہ رہی ہے۔ اور جب اسے معلوم ہوگا کہ آپ اس کے پاپا نہیں ہیں تو اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی۔''

''نان سینس۔'' غزنوی خواتین کی موجودگی میں چکرا گئے۔ اور اس کی بدلحاظی پر تلملاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ تب چھوٹی اماں اس کے قریب آ کر بولیں۔

''بیٹا! اسی لیے تو ہم تمہیں شادی پر زور دے رہے ہیں۔''

''اُف! یہ ہر بات کی تان میری شادی پر کیوں ٹوٹتی ہے۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔''

وہ چڑ کر بولی اور سامعہ کو امی کی گود میں ڈال کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو بڑی اماں نے امی کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں بس اب بات ختم ہوگئی۔

☆☆☆

اور پھر واقعی اگلے چند دنوں میں بڑی اماں نے غزنوی کی کہیں اور بات طے کر دی۔ اس نے سنا تو کچھ دیر کو اپنی زندگی کی راہوں پر دور دور پھیل جانے والی تاریکی کو شدت سے محسوس کیا۔ اس کے بعد بڑے آرام سے انہیں مبارکباد دینے پہنچ گئی۔

''ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ تیمور بھائی کے ساتھ ساتھ آپ کی ڈولی اُٹھنے کا سامان بھی ہوگیا ہے۔'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔ پھر ان کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کون ہے بیچاری؟''

''اماں سے پوچھ لو!'' وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گئے اور ان کے پیچھے آتے ہوئے بولی۔

''کیوں آپ کو شرم آتی ہے، میرا مطلب ہے نام لیتے ہوئے یا نکاح ٹوٹ جانے کا۔ لیکن ابھی نکاح تو ہوا ہی نہیں۔'' اس کی تیزی سے چلتی زبان پر وہ بہت خاموشی سے اسے

دیکھنے لگے تھے۔ آخر میں خود ہی سٹپٹا کر بولی۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

''نکل جاؤ میرے کمرے سے۔'' انہوں نے انتہائی غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے! میں تو آپ کو مبارکباد.....'' وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہوئے۔ اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

☆☆☆

گھر میں ایک ساتھ چار شادیاں تھیں اور ادھر اس کے امتحان بھی قریب آ گئے تھے۔ بڑی اماں نے سمیرا کو بلا تو لیا تھا لیکن وہ زیادہ بھاگ دوڑ کے کام نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ماں بننے والی تھی۔ اور ان دنوں ڈاکٹر نے اسے ریسٹ بتایا تھا۔ یوں وہی گھن چکر بن کر رہ گئی۔ کام سے وہ جی نہیں چراتی تھی لیکن جو امتحانوں کا ہوا سر پر سوار تھا اس سے اور زیادہ بوکھلائی ہوئی تھی کیونکہ پڑھنے کا بالکل وقت نہیں ملتا تھا۔ خدا خدا کر کے شادی کے ہنگامے تمام ہوئے اور اس نے بھی سکون کا سانس لیا۔ ایک صرف سیما اس گھر سے رخصت ہو کر گئی تھی۔ باقی حرا یہیں تھی اور ظاہر ہے غزنوی بھی دلہن لے آئے تھے۔ پھر نو بیاہتا جوڑے تو دعوتوں اور سیر و تفریح میں لگ گئے۔ اور اس نے الگ تھلگ کمرے میں خود کو بند کر لیا۔ پہلے ہی بہت نقصان ہو چکا تھا۔ اب وہ ایک لمحہ ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے یکسوئی سے پڑھنے میں لگ گئی۔ یہاں تک کہ امتحانوں تک اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔

جس روز آخری پیپر دے کر آئی، برآمدے میں ہی کھڑی ہو کر شور مچانے لگی کہ امتحان ختم ہو گئے۔ سر سے بوجھ اتر گیا۔ معاً نظر غزنوی کی دلہن افشاں پر پڑی جو سیڑھیوں کے قریب کھڑی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اپنی دھن میں اسے مخاطب کر کے بولی۔

''ارے بھابھی! آج سے میں فارغ ہوں، بہت کمپنی دوں گی آپ کو۔''

urdunovelist.blogspot.com

"۔۔ری بیٹی کیا کم ہے!" افشاں کے ٹھہرے ہوئے سپاٹ لہجے نے ایک پل تو اسے اپنی جگہ سُن کر دیا۔ پھر چونک کر پھیکی مسکراہٹ سے بولی۔

"سامعہ، ہاں سامعہ تو سب کے ساتھ مانوس ہو جاتی ہے۔"

"کچھ زیادہ ہی۔" افشاں کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گئی اور وہ کتنی دیر تک اس کے پیچھے نظریں جمائے کھڑی رہی۔ پھر مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تو امی ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اور سامعہ ان کے پلنگ پر بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے کندھے سے بیگ اتار کر ایک طرف رکھا اور کپڑے تبدیل کیے بغیر سامعہ کے برابر آ کر لیٹی تو اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ اس ایک ماہ میں پتہ نہیں کیا سے کیا ہو گیا تھا اور وہ کتنی بے خبر تھی۔

"یہ برسوں پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آئی تھی تو میرے لیے سب کے دلوں میں کتنی وسعتیں تھیں۔ اب وقت بدل گیا ہے۔" وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔

شام میں اٹھی تو سامعہ اس کے پہلو میں نہیں تھی اور فوری طور پر اسے خیال بھی نہیں آیا۔ اطمینان سے منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے باہر نکلی تو امی نے دیکھتے ہی ٹوکا۔

"کھانا کھائے بغیر سو گئی تھی۔ جاؤ! پہلے کھانا کھاؤ۔"

"ہاں! بھوک بھی لگ رہی ہے۔" اس نے وہیں سے کچن کا رُخ کیا۔ سالن گرم کر کے پلیٹ میں نکالا اور جب ہاٹ پاٹ کھولا تو روٹی نہیں تھی۔ کچھ جھنجھلا کر اس نے سالن کی پلیٹ چولہے کے نیچے دھکیل دی۔ پھر کچن سے نکل کر اوپر چلی آئی۔

"بڑی اماں! روٹی ہے؟" اس نے باہر ہی سے پکار کر پوچھا۔ بڑی اماں نے اندر ہی سے جواب دیا۔

"کچن میں دیکھو بیٹا! ہو گی۔ اور دیکھو فریج میں کباب رکھے ہیں وہ بھی تل لو۔"

"نہیں بس، مجھے روٹی چاہیے۔" اس نے کچن میں آ کر ہاٹ پاٹ میں سے ایک روٹی نکالی اور یونہی ہاتھ میں لیے باہر نکلی تو سامنے سے آتے غزنوی نے دیکھتے ہی ٹوکا۔

"یہ کیا نیا طریقہ نکالا ہے تم نے؟"

"کون سا؟" وہ سمجھی نہیں۔

"ہاتھ میں روٹی لے کر کھانے کا۔"

"سب چلتا ہے۔" حالانکہ وہ کھا نہیں رہی تھی لیکن محض انہیں چڑانے کی خاطر نوالہ توڑ کر منہ میں رکھ لیا۔ اور ڈھٹائی سے ہنسنے لگی تو وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے۔ تب ہی حرا کی انگلی تھامے سامعہ اس کے کمرے سے نکلی اور غزنوی کو دیکھ کر پاپا، پاپا کہتی ان کے پیچھے چل پڑی۔ وہ بس ایک پل کو سامعہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی کہ حرا کے پکارنے پر اس کا دھیان بٹ گیا۔

"کیا ہوا؟" حرا پوچھ رہی تھی۔ "غزنوی بھائی خفا ہو رہے تھے کیا؟"

"ارے! وہ کب خفا نہیں ہوتے۔ خیر چھوڑو! تم سناؤ۔"

"سب ٹھیک ٹھاک اور یہ تم خالی روٹی کیوں کھا رہی ہو۔ سالن نہیں ہے کیا؟" شاید بھوک کی وجہ سے یا بے خیالی میں وہ آدھی سے زیادہ روٹی کھا چکی تھی۔ حرا نے تعجب سے ٹوکا تو پیشانی پر ہاتھ مارتی ہوئی بولی۔

"لاحول ولا۔ سالن تو نیچے گرم کر کے رکھ آئی ہوں۔"

"چلو اب تو کھا چکی ہو، میرا مطلب ہے میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ ساتھ میں کباب بھی تلوں گی۔ تم بیٹھو بڑی اماں کے پاس میں لے کر آتی ہوں۔"

حرا نے اسے روکتے ہوئے کہا تو وہ ہاتھ میں بچی ہوئی روٹی اسے تھما کر بولی۔

"یہ بھی لے جاؤ! اور کباب ذرا جلدی تلنا۔" حرا اثبات میں سر ہلاتی کچن میں چلی گئی۔ اور وہ بڑی اماں کے پاس آ رہی تھی کہ غزنوی کے کمرے سے آتی افشاں کی آواز سن کر اچانک اسے دوپہر کی بات یاد آ گئی۔

"تمہاری بیٹی کیا کم ہے؟"

اور پھر اسے خیال آیا کہ ابھی بھی سامعہ غزنوی کے پیچھے گئی تھی۔ فوراً اسے لینے کے

urdunovelist.blogspot.com

ارادے سے آگے بڑھی لیکن افشاں کی آواز پر اس کے قدم دروازے پر ہی رُک گئے۔

''یہ بچی اول روز سے ہمارے درمیان کھڑی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اس کی ماں کو اس کی پروا نہیں ہے تو آپ کیوں اسے اتنی اہمیت دیتے ہیں۔''

''تم سے کس نے کہا ہے اس کی ماں کو اس کی پروا نہیں ہے۔'' غزنوی کا انداز دھیما تھا جبکہ افشاں تیز ہو کر بول رہی تھی۔

''کون کہے گا، کیا میں خود نہیں دیکھتی۔ نومیہ نے تو اپنی جان چھڑائی ہوئی ہے۔ اور اسے پروا ہو بھی کیوں، جب بچی کے لیے ماں اور باپ کا کردار آپ بخوبی ادا کر رہے ہیں۔''

''افشاں!''

غزنوی جانے کیا کہنے جا رہے تھے۔ لیکن افشاں نے انہیں بولنے ہی نہیں دیا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ نومیہ جان بوجھ کر اسے آپ کے پیچھے لگائے رکھتی ہے۔ اپنا وقت تو بُرا بھلا جو بھی گزار چکی، دوسروں کا ذرا احساس نہیں۔''

''ڈونٹ بی سلی افشاں! میں ایسی فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔'' غزنوی بہت ضبط سے بولے لیکن لہجے میں چھپی تلخی محسوس ہو رہی تھی۔ جواباً افشاں کے لہجے میں طنز سمٹ آیا۔

''تو اور کیا پسند کرتے ہیں آپ، یہ بھی بتا دیجیے۔''

''بس خاموش رہو!''

''سوری غزنوی! آپ مجھے خاموش نہیں کرا سکتے۔ میں پتھر کی بے جان مورتی نہیں ہوں جو چپ چاپ دیکھتی رہوں، اور اب تو میں آپ سے یہ سوال کروں گی کہ اگر آپ کو اس بچی کا باپ بننے کا اتنا ہی شوق تھا تو بن کیوں نہیں گئے۔''

اور غزنوی پتہ نہیں کیا جواب دیتے کہ وہ جو اس طرف سناٹے میں کھڑی تھی ایک دم ہوش میں آ کر دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی اور ابھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ افشاں نے فوراً ٹوک دیا۔

''یہ کون سا طریقہ ہے اندر آنے کا! دستک دے کر آیا کرو۔'' اس کی ساری تیزی دھری رہ گئی۔ نہ صرف سٹپٹائی بلکہ خجل ہو کر بولی۔

''سوری! میں سامعہ کو لینے آئی تھی۔''

''دیکھ لو! اپنے پاپا کی گود میں بہت خوش ہے۔''

افشاں کا طنز اس کے دل میں ترازو ہو گیا۔ چپ چاپ سامعہ کو اٹھا کر کمرے سے نکل آئی تو حرا چائے کی ٹرے اٹھائے آ رہی تھی۔ وہ اس کا بلکہ اس وقت کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجبوراً حرا کی طرف سے رُخ موڑ کر اس کے آگے آگے چلنے لگی۔ پھر بڑی اماں کے پاس بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں تھی۔ ایک دو بار حرا نے ٹوکا بھی اور وہ بس ہوں ہاں کر کے رہ گئی۔

''یہ برسوں پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آئی تھی۔'' رات میں وہ منتشر ذہن کے ساتھ جانے کیا کیا سوچ گئی۔ اور کسی ایک سوچ پر اس کی گرفت نہیں ہو سکی۔

''وقت سب کچھ اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ محبتیں، رواداریاں، خلوص.....''

''میں تمہیں اس وقت سے آگاہ کر رہا ہوں جب سب اپنے اپنے بال بچوں میں مصروف ہو جائیں گے۔''

''سامعہ کو باپ کی ضرورت ہے اور تمہیں سائبان کی.....''

وہ ایک ایک سوچ پر سر جھٹکتی گئی۔ پھر بھی اس کا اضطراب کم نہیں ہوا۔ کتنی دیر تک افشاں کے خلاف اس کے اندر لاوا پکتا رہا۔ دل چاہا، اپنی بچی سے بغض رکھنے پر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

''اپنا وقت تو برا بھلا جو بھی گزار چکی، دوسروں کا ذرا احساس نہیں۔''

معاً افشاں کی بات نے اس کی ساری سوچوں کو سمیٹ لیا تو بس کچھ دیر کو وہ تلملائی۔ اس کے بعد فراخ دلی سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

urdunovelist.blogspot.com

"ٹھیک تو ہے مجھے خیال کرنا چاہیے۔ افشاں کے اپنے خواب ہوں گے، اپنا انداز ہو گا۔ جبکہ غزنوی آفس سے آتے ہی سامعہ کو لیے ہوئے اوپر جاتے ہیں اور سامعہ بچی سہی پھر بھی۔"

اور تب اس کی سمجھ میں آیا کہ امی نے ہمیشہ اسے اپنی آغوش میں کیوں چھپائے رکھا۔ اسے کبھی بڑے ابا اور چھوٹے ابا کے پیچھے لپک کر کیوں نہیں جانے دیا۔ یہاں تک کہ جب انہیں اپنے مرنے کا وہم ہوا تو یہ تو نہیں تھا کہ انہیں کسی پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ وہ ان محبتوں اور شفقتوں کو قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ یہ نہ ہو کہ ان کے بعد بڑے ابا اور چھوٹے ابا یتیم بھتیجی پر کچھ وقت کو ہی سہی کچھ زیادہ عنایتیں کر بیٹھیں اور یہ بات بڑی اماں اور چھوٹی اماں کو ناگوار گزرے۔ اس لیے اسے اس کے گھر کا کر دیا تھا۔ بظاہر سیدھی سادی امی! وہ انہیں سمجھنے میں کتنی غلطی کر گئی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ زمانہ نہیں بدلا نہ ہی وقت اپنے ساتھ محبتیں اور رواداریاں بہا لے گیا ہے۔ البتہ محبتوں کو سمجھنے، برتنے اور سنبھال کر رکھنے کا ڈھنگ نہیں رہا۔

☆☆☆

اگلے روز غزنوی کے آفس نے لوٹنے سے پہلے ہی وہ کچھ چھوٹی موٹی چیزیں خریدنے کے بہانے سامعہ کو لے کر قریبی مارکیٹ چلی گئی۔ ایک دم سے بچی کو الگ کرنا آسان نہیں تھا، نہ ہی مناسب۔ یوں بھی وہ اس سے زیادہ گھر کے باقی افراد سے مانوس تھی۔ وہ تو اب تک اس کے لیے ظالم ماں بنی ہوئی تھی اور ظاہر ہے اب دھیرے دھیرے ہی اسے اپنی طرف راغب کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ امتحانوں کے بعد کچھ وقت اس کے پاس فراغت کا تھا اور اس وقت سے وہ فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ بہرحال کسی پر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا اور بالکل غیر محسوس طریقے سے سامعہ کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی۔ خصوصاً صبح اور شام کے اوقات میں۔

اس کے لیے وہ ابتدائی اردو اور انگریزی کے قاعدے خرید لائی تھی۔ اس کا ارادہ اسی سال اسے مونٹیسری میں داخل کروانے کا تھا۔ اس وقت وہ اس کے سامنے رنگین قاعدہ کھولے اسے تصویروں سے بہلا رہی تھی کہ غزنوی نے برآمدے سے ہی پکارا۔

"سامعہ!"

"پاپا۔" سامعہ قاعدہ چھوڑ کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو۔ "یہ پاپا کی آواز ہے؟" اس کا معصوم چہرہ کھل اُٹھا تھا۔

"نہیں! تم یہ دیکھو۔ دیکھو یہ کیا ہے۔" وہ اس کا دھیان بٹانے لگی لیکن بچی مچل گئی تب ہی غزنوی پکارتے ہوئے وہیں آ گئے تو وہ بلا ارادہ ہی سامعہ کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ وہ فوراً سمجھے نہیں اور اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

"سامعہ کہاں ہے.....؟"

"کیوں.....؟" وہ تنک کر بولی جس پر وہ بس ایک پل کو ٹھٹھکے کیونکہ فوراً بعد ہی سامعہ نے اسکے پیچھے سے سر نکال کر ان کی توجہ کھینچ لی۔

پاپا! میں یہاں....."

"ارے.....!" انہوں نے اس کی طرف بازو پھیلا دیے تو سامعہ بھاگ کر ان کے بازوؤں میں سما گئی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر انہیں دیکھتی رہی اور جیسے ہی وہ سامعہ کو لے کر جانے لگے، وہ فوراً پکار کر بولی۔

"نہیں غزنوی! اسے یہیں چھوڑ دیں....."

"کیوں.....؟" ان کی سوالیہ نظروں سے وہ جز بز ہو کر بولی۔

"یہ اس کے پڑھنے کا وقت ہے۔"

"اچھا.....! وہ بے ساختہ ہنس کر بولے۔ "پہلے تم تو پڑھ لو۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر اس کی طرف پلٹے۔ پھر چند قدم آگے آ کر پوچھنے لگے۔ "تم چاہتی کیا ہو؟ سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو گیا، پھر اب تمہیں کس بات کا خدشہ ہے۔"

urdunovelist.blogspot.com

''جانے دیں، میں سچ کہوں گی اور آپ.....''

''نہیں تم کہو.....'' وہ فوراً ٹوک کر بولے تو کچھ دیر تک وہ انہیں دیکھتی رہی۔ پھر نظریں چراتی ہوئی بولی۔

''دیکھیں غزنوی! مجھے اسی گھر میں رہنا ہے۔ اس کے علاوہ میرا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں، پھر میرے لیے مشکلات کیوں کھڑی کر رہے ہیں؟ میں نہیں چاہتی کہ سامعہ آپ کی ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہو۔ اور آپ سے بھی درخواست کروں گی کہ میری بچی کو وجہ تنازعہ مت بنائیں۔ میرے لیے زندگی کے راستے تنگ ہو جائیں گے۔ کہاں جاؤں گی میں۔ اس کے باپ کے گھر سے میرا کوئی ناتا نہیں ورنہ امی کی طرح میں بھی اس کی انگلی تھام کر.....''

اس کی آواز بھرا گئی تو جلدی سے ان کی طرف سے رُخ موڑ کر کھڑی ہو گئی جب کہ ان کا وجود گہری خاموشیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ کتنی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہو سکے۔

''افشاں نے کچھ کہا تم سے.....؟''

''نہیں.....'' وہ پلکوں تک آئی نمی انگلیوں پر سمیٹتی ہوئی بولی۔ ''ابھی تک تو کچھ نہیں کہا لیکن کہہ سکتی ہے۔ اور یہ اس کا حق ہے جو کہ آپ کو تسلیم کرنا چاہیے۔''

''میں اس کے سارے حقوق تسلیم کرتا ہوں لیکن میری ذات پر ایک صرف وہی حق نہیں رکھتی.....'' وہ کہہ کر جانے لگے کہ وہ بھاگ کر ان کے سامنے آ گئی۔

''سامعہ کو مجھے دے دیں.....''

''بلا کر دیکھو، اگر تمہارے پاس آ گئی تو.....''

وہ ایک دم ہونٹ بھینچ گئے، اور سامعہ جو اس کی طرف سے منہ موڑ کر ان کے گلے کا ہار بن گئی تھی۔ خود پر جبر کر کے انہوں نے اسے الگ کر کے اس کی گود میں ڈال دیا۔ پھر جاتے جاتے بولے تھے۔

''اسی وقت سے میں تمہیں آگاہ کرتا تھا، پر تم نہیں سمجھیں۔''

اور وہ کیسے کہہ دیتی کہ انہیں آگاہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ خود سب سمجھتی تھی۔ اگر وہ اسے ضرورت مند کہنے کی بجائے اپنا کوئی تعلق ظاہر کرتے تب تو اس وقت پر اپنی گرفت مضبوط کرتی۔ اب تو کوئی ملال نہیں تھا بلکہ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کتنے آرام سے سرخرو ہو گئے تھے۔

☆☆☆

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے اپنے رزلٹ سے پہلے ہی سامعہ کو مونٹیسری میں داخل کرا دیا۔ امی منع کرتی رہ گئیں لیکن اس نے ایک نہیں سنی۔ یوں بھی اس پر ''من مانی'' کی چھاپ لگ چکی تھی۔

رزلٹ کے بعد اس نے کالج جانا شروع کیا تو صبح اپنے ساتھ سامعہ کو لے کر نکلتی۔ البتہ واپسی میں اسے دیر ہو جاتی تھی، اس لیے سامعہ کو لانے کی ذمہ داری امی کی تھی۔ پھر جب وہ آتی تو اسے اپنے ساتھ لے کر سوتی اور شام کا سارا وقت اس کے ساتھ کھیلنے اور پڑھنے پڑھانے میں گزارتی۔

سامعہ بچی تھی۔ اس کی غیر معمولی توجہ اور محبت سے بہت جلدی بہل گئی۔ یعنی اب وہ غزنوی کو دیکھ کر ان کی طرف لپکتی نہیں تھی جبکہ غزنوی کو خود پر جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے سامعہ کو نظر انداز کرنے پر مجبور تھے لیکن کسی کسی وقت بالکل بے اختیار ہو جاتے۔ اس وقت باہر جاتے ہوئے وہ انہیں برآمدے میں کھیلتی نظر آئی تو وہ اسے ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔

چھٹی کا دن تھا۔ وہ اس وقت آنگن میں کپڑے پھیلاتے ہوئے اپنے ہی کسی خیال میں تھی اور اس نے دیکھا ضرور کہ غزنوی سامعہ کو لے کر جا رہے ہیں لیکن ٹوکا نہیں۔ یوں بھی اب اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس نے بہت جلدی سامعہ پر کنٹرول کر لیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ افشاں ابھی بھی تاک میں رہتی ہے کہ اول روز اپنے اور غزنوی کے درمیان جس بچی کو اس

urdunovelist.blogspot.com

نے ناگواری سے محسوس کیا تھا وہ اس کے وجود سے متنفر تھی۔

وہ کپڑے پھیلانے کے بعد برآمدے میں آکر بیٹھ گئی۔ امی کچن میں مصروف تھیں۔ اس نے سوچا کہ نہانے سے پہلے روٹی پکا کر رکھ دے اور ابھی اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ افشاں آگئی۔ اور اس کے قریب آتے ہی پوچھنے لگی۔

''غزنوی کہاں ہیں.....؟''

''جی.....!'' وہ واقعی حیران ہوئی پھر فوراً سنبھل کر مسکراتی ہوئی بولی۔ ''کمال ہے؟ آپ کے میاں ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔''

''وہ صرف میرے میاں نہیں ہیں، یہاں اور بہت لوگ ان پر حق رکھتے ہیں۔''

وہ افشاں کے طنز سے جتانے پر بری طرح تپ گئی لیکن ابھی تک وہ براہِ راست اس سے الجھی نہیں تھی اور نہ آئندہ کبھی الجھنا چاہتی تھی۔ ابھی بھی خود کو بولنے سے باز رکھا تو افشاں پھر پہلے سوال پر آگئی۔

''تم نے بتایا نہیں، غزنوی کہاں گئے ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم، ابھی کچھ دیر پہلے میں نے انہیں یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ضرور تھا لیکن کہاں کا نہیں پتہ۔'' وہ اکتا کر بولی۔

''کیوں اپنی بیٹی کو ان کے ساتھ کرتے ہوئے تم نے پوچھا نہیں کہ وہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔'' وہ اس الزام پر تلملا گئی۔

''اول تو میں نے سامعہ کو ان کے ساتھ نہیں بھیجا اور اگر بھیجتی تب بھی یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''ظاہر ہے، تمہیں اس سے کیا غرض! تم تو چاہتی ہو کسی بھی طرح غزنوی بس تم ماں بیٹی کے ساتھ لگے رہیں۔''

افشاں انتہائی نچلی سطح پر آکر بول رہی تھی۔ وہ ایک دم سناٹے میں آگئی۔ تبھی غزنوی کی

آمد ہوئی۔ سامعہ ان کی انگلی تھام کر چل رہی تھی۔ قریب آتے ہی انہیں چھوڑ کر اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تو صورتِ حال سے بے خبر غزنوی ہنس کر بولے۔

''واہ نومیہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ یعنی اب میں تمہیں چیلنج نہیں کر سکتا کہ سامعہ کو بلا کر دیکھو.....'' اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی اور افشاں بول پڑی۔

''کہاں چلے گئے تھے۔ پتہ بھی تھا امی کے گھر جانا ہے۔''

افشاں کی تیز آواز پر بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے کیونکہ نومیہ کے گم صم انداز پر وہ ٹھٹک گئے تھے اور بے اختیار اس کے سامنے پنجوں پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''کیا ہوا نومیہ! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے ذرا سی پلکیں جھپکیں تو انہیں اپنے سامنے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

''کیا بات ہے.....؟'' اس کی پریشانی پر ان کی تشویش کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے کوئی نام، کوئی رنگ دیا جاتا۔ پھر انہوں نے سوالیہ نظروں سے افشاں کو دیکھا تو وہ چیخ کر بولی۔

''پہلے بیٹی، اب ماں.....''

''کیا مطلب؟'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ان کا تو کام ہی یہی ہے، ابھی اچھی بھلی تھی۔ آپ کو دیکھ کر.....''

''بس افشاں بھابھی.....'' وہ ایک دم چیخ پڑی۔

''بڑی بھاوج سمجھ کر میں آپ کا بہت لحاظ کرتی رہی ہوں۔''

''نومیہ.....!'' غزنوی نے ٹوکا تو وہ ان پر چلائی۔

''سمجھا دیں اسے۔ اپنی گھٹیا سوچ کو اپنے ہی تک محدود رکھے۔''

اس کے چلانے پر امی گھبرا کر کچن سے اور چھوٹی اماں اپنے کمرے سے نکل کر آئیں تو انہیں دیکھ کر سامعہ کو گھسیٹتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ اتنا لحاظ بھی اس نے یوں کیا تھا کہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی لیکن بات بڑھ گئی تھی۔

urdunovelist.blogspot.com

رات میں امی کی زبانی اسے معلوم ہوا کہ اس وقت افشاں، غزنوی کے ساتھ اپنے میکے گئی تھی لیکن واپس یہاں آنے سے اس نے انکار کر دیا ہے، یعنی الگ گھر چاہتی ہے۔ اس کے بعد امی اس پر بگڑنے لگیں کہ اس نے کیوں ہنگامہ کھڑا کیا۔ اسے بھی غصہ آ گیا۔

''پہل اس کی طرف سے ہوئی ہے۔ بلکہ وہ اول روز سے مجھ سے اور سامعہ سے خار کھاتی ہے۔ میرا حوصلہ ہے جو اتنے دن برداشت کرتی رہی۔''

''برداشت تو تمہیں کرنا ہے۔'' امی نے سمجھانا چاہا۔

''کیوں، اس کے باپ کا کھاتی ہوں کیا؟ ہرگز نہیں۔ میں کوئی غلط بات برداشت نہیں کروں گی۔''

امی سمجھ گئیں۔ اس وقت وہ ان کی کوئی بات نہیں سنے گی، اس لیے خاموشی اختیار کر لی لیکن اندر ہی اندر پریشان ہو گئی تھیں۔ حالانکہ جانتی تھیں کہ قصور اس کا نہیں ہے پھر بھی انجانے خدشوں کو دبا نہیں سکیں۔

اگلے روز بڑے ابا نے اسے بلا بھیجا اور اس کے پوچھنے پر اس نے اول روز افشاں کا رویہ، اس کے اندیشے اور طنز ایک ایک بات کہہ سنائی۔ آخر میں کہنے لگی

''میں اس سے زیادہ تہمتیں برداشت نہیں کر سکتی بڑے ابا اور خصوصاً مجھے نشانہ اس لیے بنایا گیا کہ میں اکیلی ہوں۔ ورنہ غزنوی کا رویہ تو سب کے ساتھ ایک سا ہے۔ حرا، سیما، میں۔ لیکن حرا اور سیما کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''تمہیں بھی کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' بڑے ابا اس کا مطلب سمجھ کر بولے۔ ''جس حساب سے تم اپنے آپ کو اکیلا کہہ رہی ہو، وہ ٹھیک ہے لیکن بیٹا! ابھی میں زندہ ہوں۔''

''بڑے ابا.....!'' اس کی آنکھیں یک لخت جل تھل ہو گئیں۔ بے اختیار آگے بڑھ کر بڑے ابا کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لیے۔

''مجھے انصاف نہیں چاہیے بڑے ابا۔ انصاف کریں گے تو غزنوی کا بہت نقصان ہو

گا۔ ان کا گھر سلامت نہیں رہے گا۔''

بڑے ابا نے آہستہ سے اس کا سر تھپکا، پھر وہیں سے اونچی آواز میں غزنوی کو پکارا تو وہ جلدی سے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ پھر اسے اپنے پیچھے غزنوی کی آواز سنائی دی۔

''جی ابو.....''

''افشاں کو لینے گئے تھے؟'' بڑے ابا نے ان سے پوچھا اور ان کا مختصر جواب آیا۔

''جی.....!''

''کیوں نہیں آئی، کیا کہتی ہے.....؟''

''یہاں آنا نہیں چاہتی۔'' غزنوی کا انداز مجرمانہ تھا۔

''ٹھیک ہے تم اپنے لیے الگ گھر کا انتظام کرو اور اسے وہیں لے جاؤ۔''

بڑے ابا نے پل میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد غزنوی کا کوئی احتجاج نہیں سنا۔

☆☆☆

غزنوی نے بجائے یہیں کہیں گھر لینے کے اپنا ٹرانسفر لاہور کروا لیا اور افشاں کو لے کر چلے گئے۔ غالباً انہوں نے دور اندیشی سے کام لیا تھا اور شاید یہ ان کا دانشمندانہ اقدام تھا۔ پھر بھی انہوں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا بلکہ یوں جیسے اچانک ٹرانسفر ہو گیا ہو۔ پتہ نہیں یہ ان دونوں کے مابین کیا ناتا تھا کہ آپس میں لاکھ ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ لیں، الزام دے لیں لیکن جہاں معاملہ بھری عدالت میں پہنچتا، وہ ان پر بات آنے دیتی نہ وہ اس پر۔ اور شاید اسی لیے دونوں اپنے اپنے مقام پر جمے ہوئے تھے۔

بہر حال غزنوی کے جانے سے بہت فرق پڑا تھا۔ یعنی گھر ایک دم خالی خالی لگنے لگا تھا اور کسی کسی وقت اسے یہ خالی پن اپنے اندر محسوس ہوتا۔ غزنوی نے کہا تھا۔ سب کچھ تو تمہاری مرضی سے ہو گیا اور اب وہ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کیا سچ مچ وہ یہی چاہتی تھی۔ نہیں، اس نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ اس وقت سے جب غزنوی نے اس سے شادی کا اعلان کیا تھا۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف

urdunovelist.blogspot.com

چل رہی تھی۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ وہ اپنی شادی کی ناکامی سے خوفزدہ ہے، اصل المیہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

پھر کتنا بہت سارا وقت گزر گیا، حرا کے آنگن میں پہلا پھول بیٹی کی صورت میں کھلا تو بڑی اماں کو غزنوی کے سونے آنگن کا کچھ زیادہ ہی احساس ہونے لگا۔ انہیں لاہور گئے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔ مہینے میں ایک دو بار بڑی اماں سے فون پر بات کر لیتے تھے اور آنے کا وعدہ بھی لیکن آتے نہیں تھے۔ حالانکہ لاہور کوئی اتنا دور بھی نہیں تھا۔ چاہتے تو کسی بھی ویک اینڈ پر آسکتے تھے۔ یعنی اگر کام زیادہ اور چھٹی نہ ملنے کا مسئلہ تھا تو..... لیکن وہ پتہ نہیں کیا سوچے ہوئے تھے۔ عید پر بھی نہیں آئے۔ البتہ افشاں کو بھیج دیا تھا۔ جو کہ سارا وقت تو اپنے میکے میں رہی بس جاتے سے کچھ دیر کو ملنے چلی آئی تھی اور جب غزنوی کا فون آنے پر بڑی اماں نے ان سے شکایت کی تو وہ بس اسی قدر بولے تھے۔

"اپنی مرضی کی مالک ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

اور اسے افسوس ہوتا تھا کہ غزنوی کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ اپنے طور پر تو بڑی اماں نے ان کے لیے اچھی لڑکی تلاش کی تھی جیسے اس کے لیے بڑے ابا نے اچھا لڑکا، اچھا گھر یعنی اپنا پورا اطمینان کر لیا تھا لیکن سب قسمت کی بات ہے اور شاید کاتب تقدیر نے دونوں کے مقدر ایک ہی وقت میں رقم کیے تھے۔ وہ سوچتی تو اسے دکھ ہوتا اور افشاں پر افسوس اور کہیں کہیں اس کے اندر مجرمانہ سا احساس جاگتا۔ خصوصاً اس وقت جب بڑی اماں غزنوی کی دوری کو محسوس کرتے ہوئے بے اختیار کہہ جاتیں۔

"کیا ہی اچھا ہوتا جو اپنی نومیہ شادی کے لیے ہامی بھر لیتی۔"

اس وقت وہ امی سے یہی کہہ رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ سامعہ کو..... لے کر اوپر چلی آئی۔ حرا اپنی بچی میں مصروف تھی۔ اور سامعہ کو وہ چھوٹی سی گڑیا بہت اچھی لگتی تھی۔ فوراً حرا کے بیڈ

پر چڑھ گئی اور بچی کو اپنی گود میں لینے کی ضد کرنے لگی۔

"چندا.....! ابھی تو تم خود اتنی سی ہو۔" حرا نے بہت احتیاط سے بچی کو سامعہ کی گود میں ڈالا۔ پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"بڑی اماں نیچے ہیں کیا.....؟"

"ہاں، میں آئی تو امی کے پاس بیٹھی تھیں۔" اس کا دھیان سامعہ کی طرف تھا کہ کہیں وہ زیادہ پیار آنے پر بچی کو نوچ نہ لے۔ اس لیے حرا کی بات کا جواب سرسری انداز میں دیا۔

"ماما! گڑیا بولتی ہے؟" سامعہ اس سے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔ ابھی صرف روتی ہے۔"

"میں تو نہیں روتی....." سامعہ نے معصومیت سے اپنی تعریف کی تو حرا پیار سے اس کا گال چھو کر بولی۔

"آپ تو اچھی بچی ہو ناں!"

"گڑیا بھی اچھی ہے، ہے ناں ماما!"

"ہاں بیٹا! لاؤ اب اسے مجھے دے دو۔"

اسے بس یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں سامعہ اسے لڑھکا نہ دے۔ زبردستی اس کی گود سے اٹھا لیا۔

"اسے بھوک بھی لگی ہو گی۔ میں اس کی فیڈر بنا لاؤں۔" حرا گڑیا کی طرف سے اطمینان سے ہو کر اٹھ گئی۔ پھر جاتے جاتے پوچھنے لگی، چائے پیو گی؟"

"نہیں....." اس نے منع کر دیا۔ پھر کچھ دیر بعد جب حرا بچی کو دودھ پلانے میں مصروف تھی تو فون کی بیل پر اسے اٹھنا پڑا۔ دوسری طرف غزنوی تھے۔ اس کے ہیلو کہنے پر ہی پہچان کر بولے۔

"نومیہ! کیسی ہو.....؟"

urdunovelist.blogspot.com

''بالکل خیریت سے۔'' اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑے۔

''اور یقیناً میری خیریت تم کو نیک مطلوب ہو گی لیکن تمہارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''ظاہر ہے، میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔'' پھر پوچھنے لگی۔ ''بڑی اماں کو بلاؤں؟''

''کیوں، تم بات نہیں کرنا چاہتیں۔''

''میں نے یہ کب کہا؟''

''سامعہ کیسی ہے؟'' وہ ان سنی کر کے بات بڑھا گئے۔

''ٹھیک ہے۔''

''اور تم، میرا مطلب ہے کیا کر رہی ہو آج کل؟'' کس قدر رسمی گفتگو تھی جیسے بولنے میں احتیاط برتی جا رہی ہو۔

''بی اے کا امتحان دیا ہے۔ رزلٹ کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس کے بعد اگر بڑے ابا نے اجازت دی تو جاب کروں گی۔''

اپنے تئیں اس نے تفصیل سے جواب دے کر مزید سوال کی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن سوال موجود تھا۔

''جاب کیوں.....؟''

''کچھ نہ کرنے سے تو کچھ کرنا بہتر ہے۔''

''یہ تو ہے لیکن میں نے تو کچھ اور سنا ہے۔'' انہوں نے تائید کرتے ہوئے کہا تو اس نے حیران ہو کر فوراً پوچھا۔

''میرے بارے میں؟''

''ہوں.....'' انداز سوچتا ہوا تھا۔

''کیا۔ کیا سنا ہے؟''

''تم کوئی سوال مت کرنا، صرف تصدیق یا تردید کرنا۔ کیا تمہاری شادی ہو رہی ہے.....؟''

وہ حیران تھی۔ اس سوال پر مزید حیران ہوئی اور پوچھنا چاہتی تھی کہ ان سے کس نے کہا لیکن وہ پہلے ہی منع کر چکے تھے۔ اس لیے اپنے آپ سوچنے میں لگ گئی۔ قدرے توقف سے انہیں ٹوکنا پڑا۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔''

''آپ کیا سننا چاہتے ہیں.....؟'' اپنی سوچوں سے نکل کر اس کا سارا دھیان ان کی طرف منتقل ہو گیا۔

''ہاں، میں تمہارے منہ سے ''ہاں'' سننا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے جانے کس بنا پر کہا وہ اپنے آپ نتیجہ اخذ کر کے بولی۔

''اس کا مطلب ہے افشاں کو ابھی بھی میری طرف سے خطرہ ہے۔''

''تو تم کیوں اس کے لیے خطرہ بنی رہنا چاہتی ہو.....'' وہ بری طرح سلگ کر بولے۔

''میں کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوں۔ سمجھے آپ!'' وہ ان سے زیادہ سلگ کر چیخ پڑی۔

''شٹ اَپ نومیہ! پہلے الٹا سیدھا بولتی ہو، پھر چلاتی ہو۔ کیا میں نے تم سے کہا کہ افشاں کو تم سے کوئی خطرہ ہے۔''

''پھر آپ کو میری شادی سے کیا دلچسپی ہے.....؟''

''میری طرف سے جہنم میں جاؤ.....'' انہوں نے فون پٹخ دیا تو بے حد تلملا کر اس نے بھی تقلید کی اور پیر پٹختی ہوئی حرا کے پاس آئی تو وہ اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر بولی۔

''غزنوی بھائی کا فون تھا؟''

''تمہیں کیسے پتہ.....؟'' اس کا بقیہ غصہ اب حرا پر ہی اترنا تھا۔

''تمہارا چہرہ بتا رہا ہے۔ انہی کی باتوں پر تم ایسے تلملاتی ہو۔ ویسے انہوں نے کہا کیا

urdunovelist.blogspot.com

ہے.....؟" حرا نے کچھ ڈرتے ڈرتے پوچھا تو وہ چیخ کر بولی۔

"جہنم میں جاؤ....."

"ہائیں، میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

"تم نہیں، وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ بڑے آئے کہیں سے۔" وہ بڑبڑانے لگی۔ "وہاں بیٹھ کر بھی چین نہیں ہے۔ میری شادی، میری شادی۔ پتہ نہیں انہیں کیا تکلیف ہے۔ جیسے ان کے سر پر بوجھ بنی بیٹھی ہوں۔"

پھر ایک دم حرا کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ان سے کس نے کہا ہے کہ میری شادی ہو رہی ہے؟"

"پاگل ہو تم، وہ ایسے ہی تم سے اگلوانا چاہ رہے ہوں گے کہ آیا تم نے شادی نہ کرنے کی قسم توڑی کہ نہیں۔"

خلافِ توقع حرا کی بات فوراً اس کی سمجھ میں آ گئی اور یقین بھی کر لیا۔

"ہاں یہی بات ہو گی۔"

"بالکل یہی بات ہے اور اب کم از کم مجھے تو بتا دو کہ تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"بس اب تم میرا دماغ خراب نہ کرو۔" وہ ٹوکتی ہوئی بولی اور سامعہ کو لے کر نیچے چلی آئی۔

☆☆☆

پھر بہت زیادہ فراغت سے اکتا کر اس نے رزلٹ آنے سے پہلے ہی بڑے ابا سے جاب کرنے کی اجازت لے لی۔ گو کہ وہ بالکل بھی اس کی جاب کے حق میں نہیں تھے لیکن پتہ نہیں کیوں اس کی بات ٹالی نہیں جاتی تھی۔ اس کے سامنے خود کو بے بس سا محسوس کرتے تھے۔ یہاں بھی تھوڑی سی پس و پیش کے بعد اجازت دے دی۔ لیکن زیادہ دور جانے سے منع کر دیا۔ یعنی قریبی اسکولوں میں اپلائی کر سکتی تھی۔ اور وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ سارا دن گھر سے باہر نہ رہنا

پڑے۔ بہر حال اجازت ملتے ہی اس نے سب سے پہلے سامعہ کے اسکول میں بات کی اور اتفاق سے وہیں اس کا تقرر ہو گیا۔ یوں سامعہ کو لانے لے جانے کا مسئلہ بھی آپ ہی آپ حل ہو گیا۔

اور شاید وہ سوچ چکی تھی کہ اسے زندگی اسی طرح گزارنی ہے۔ اس لیے خاصی مطمئن نظر آتی تھی جبکہ باقی سب اس کے لیے فکر مند تھے۔ اور وہ محسوس بھی کرتی تھی لیکن جہاں کہیں کسی کا تفکر ظاہر ہوتا یعنی وہ پہاڑ سی زندگی کیسے گزارے گی تو وہ ہتھے سے اکھڑ جاتی۔ اس کے باوجود بڑے ابا اس کی طرف سے غافل نہیں تھے۔ جیسا کہ انہوں نے امی سے کہا تھا کہ وہ ان کی ذمہ داری ہے۔ بس یہ ہے کہ اب وہ جلد بازی میں فیصلہ نہیں کریں گے، اور اس بات کو چار سال تو ہو گئے تھے۔ یعنی اس نے گریجویشن کر لیا تھا اور شاید بڑے ابا اسی انتظار میں تھے۔ مزید دو تین ماہ کا عرصہ انہوں نے قصداً خاموشی سے گزارا تا کہ وہ اپنا جاب کا شوق بھی پورا کر لے۔ اس کے بعد امی کو بلا کر کہنے لگے۔

"نومیہ نے جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا۔ اس نے شادی نہ کرنے کی یہی وجہ بتائی تھی کہ وہ پڑھنا چاہتی ہے اور اب جب کہ وہ تعلیم ختم کر چکی ہے تو میں سمجھتا ہوں اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" امی کے لیے اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی۔

"میں خود یہی چاہتی ہوں، لیکن....." اچانک انہیں نومیہ کا خیال آیا کہ وہ تو سرے سے یہ ذکر سننا ہی نہیں چاہتی۔

"لیکن کیا.....؟" بڑے ابا سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"نومیہ نہیں مانتی، شادی کا نام سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ جاتی ہے۔" امی بتا کر فکر مند نظر آنے لگیں تو بڑے ابا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"آرام سے بات کرو، مان جائے گی۔"

"کوئی لڑکا....." بڑے ابا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "ہمارے آفس میں ہی کام کرتا ہے۔ میں کوئی آٹھ دس سالوں سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ اچھا، محنتی آدمی ہے۔ بیوی کا

urdunovelist.blogspot.com

انتقال ہو چکا ہے۔ دو بچے ہیں، اتنے چھوٹے بھی نہیں ہیں کہ نومیہ کو سنبھالنے پڑیں۔"

امی نے کچھ مایوسی سے سر جھکایا تو کہنے لگے۔

"یہ صحیح ہے کہ نومیہ کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن وہ ایک بچی کی ماں ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں.....!"

"جی....."

"تو جاؤ! اسے بھی سمجھاؤ اور یہ بھی کہہ دینا کہ اب میں اس کا کوئی عذر نہیں سنوں گا۔"

بڑے ابا کے حتمی انداز پر امی چپ چاپ نیچے چلی آئیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ ٹھیک تو ہے، قسمت بار بار تو مہربان نہیں ہوتی اور انہوں نے نومیہ سے بھی یہی کہا۔

"غزنوی گھر کا لڑکا تھا۔ اس لیے اس نے تمہارے طلاق یافتہ اور بچی کی ماں ہونے کو اہمیت نہیں دی تھی لیکن تم نے اسے ٹھکرا دیا۔ اب اس جیسا کہاں ملے گا۔"

امی نے جس انداز سے بات شروع کی، اس سے وہ ٹھٹکی ضرور لیکن فوراً کچھ نہیں بولی۔ بلکہ باقاعدہ ان کی طرف دیکھنے لگی کہ اب آگے وہ کیا کہتی ہے اور وہ کہنے لگیں۔

"تمہارے بڑے ابا اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے، تم نے جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا، اب وہ کوئی عذر نہیں سنیں گے۔"

"وہ....." حسبِ عادت وہ کہنے جا رہی تھی کہ وہ کون ہوتے ہیں لیکن فوراً ہونٹ بھینچ گئی۔ پھر سنبھل کر کہنے لگی۔ "میں کوئی عذر نہیں تراشوں گی۔ آپ صاف لفظوں میں بڑے ابا سے کہہ دیجیے کہ مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔"

"وہ انکار سننا ہی نہیں چاہتے۔" امی صاف اپنا دامن بچا کر بات کر رہی تھیں۔ اور وہ سب سے لڑ سکتی تھی بڑے ابا سے نہیں۔ جب ہی پریشان ہو گئی۔

"پھر میں ان سے کیا کہوں.....؟" امی نے پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔

"ابھی کچھ نہیں کہیں، میرا مطلب ہے میں سوچ کر بتاؤں گی۔"

اور امی کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ہٹ دھرمی چھوڑ کر سوچنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ اور اسے اس سلسلے میں کچھ نہیں سوچنا تھا بلکہ بڑے ابا کو ان کے ارادے سے کیسے باز رکھا جائے۔ اگلے تین دن حقیقتاً اس کے بہت پریشانی کے عالم میں گزرے۔ ہر وقت یہ دھڑکا بھی لگا رہا کہ کہیں اسی وقت بڑے ابا اس کو بلا کر اس کا جواب نہ مانگ لیں کہ اس کا جواب وہی تھا، شادی کرنی ہی نہیں۔

☆☆☆

اس وقت وہ اسکول سے لوٹی تھی۔ کھانے کے بعد سامعہ کو ساتھ لے کر سونے کے لیے لیٹی تو گزشتہ تین روز سے مسلسل سوچنے کے باعث اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ سامعہ نے کوئی بات کی تو اسے بری طرح جھڑک کر سونے کے لیے کہا اور زور زور سے تھپکنے لگی تو امی ٹوک کر بولیں۔

"کیوں زبردستی کر رہی ہو بچی کے ساتھ؟ نہیں سو رہی تو چھوڑ دو.....! آؤ سامعہ میرے پاس....."

امی نے بلایا تو سامعہ اسے دیکھنے لگی۔

"جاؤ لیکن تنگ نہیں کرنا امی کو....." اس نے اجازت دینے کے ساتھ تنبیہہ بھی کی۔ تو سامعہ جلدی سے پلنگ سے نیچے اتر گئی۔ تب امی اٹھتی ہوئی اس سے بولیں۔

"میں اسے اوپر لے جا رہی ہوں۔ غزنوی آیا ہوا ہے۔ پوچھ رہا تھا اس کا....." وہ ذرا سا چونکی، پھر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"کب آئے غزنوی.....؟"

"صبح تمہارے جانے کے کوئی گھنٹہ بھر بعد۔"

"اور افشاں بھابھی.....؟"

"وہ بھی لیکن یہاں نہیں آئی۔ سیدھی اپنے میکے میں ازی ہے۔ میرا خیال ہے بچہ ہونے والا ہے۔ ڈلیوری کے لیے آئی ہے۔" امی نے بتایا تو وہ کچھ چڑ کر بولی۔

urdunovelist.blogspot.com

"کیوں لاہور میں ڈیلیوری نہیں ہوسکتی تھی؟"

"کیوں نہیں ہوسکتی تھی لیکن وہاں اس کی دیکھ بھال کون کرتا۔"

"بیچارے غزنوی! اب ہر سال....." امی کے گھورنے پر اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"تم بھی چلو.....!" امی نے جاتے جاتے کہا لیکن وہ ان سنی کر کے کروٹ بدل گئی۔

شام میں سو کر اٹھی، تب اطمینان سے اوپر آئی لیکن اس وقت غزنوی بہت عجلت میں تھے۔ اس کے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی کیسی ہو کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر سیڑھیاں اتر گئے۔ تو اس نے کچھ حیران ہو کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر اندر آئی تو بڑی اماں کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ اپنے آپ بڑبڑا رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئی' غزنوی سے کسی بات پر تکرار ہوئی ہے۔ قصداً انجان بن کر ان کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

"غزنوی کب آئے؟ میں نے ابھی انہیں دیکھا ہے۔"

"صبح آیا ہے۔" بڑی اماں کے انداز میں ناگواری ظاہر کر رہی تھی کہ ان کا ذہن کچھ دیر پہلے کی صورت حال میں الجھا ہے۔ اور پتہ نہیں صورتِ حال کیا تھی۔ اسے جاننے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ البتہ بڑی اماں کی دلجوئی ضرور منظور تھی۔ جبھی لہجے کو خوشگوار بنا کر بولی۔

"لگتا ہے آپ غزنوی سے ناراض ہیں۔ کیوں بڑی اماں! اتنے دنوں بعد تو آئے ہیں وہ....."

"میرے لیے آیا ہے، اپنی جورو کے ساتھ آیا ہے۔ اور ڈھٹائی دیکھو اب مجھے کہہ رہا ہے اسپتال چلو۔"

"اسپتال کیوں؟"

"خیر سے دلہن کا بچہ ہونے والا ہے۔"

بس بڑی اماں کا غصہ اور ناراضگی اتنی ہی تھی۔ ایک دم سے لہجہ بدل گیا، پھر فوراً اٹھتی

ہوئی بولیں۔ "لو! میں باتوں میں لگ گئی۔ ذرا جھانک کر دیکھو، غزنوی ٹیکسی لے آیا۔"

"آتے ہی ہوں گے، آپ نیچے تو چلیں....." وہ بڑی اماں کو لے کر دوبارہ نیچے آ گئی۔ کچھ دیر بعد غزنوی ٹیکسی لے آئے تو بڑی اماں ان کے ساتھ چلی گئیں اور اس نے کچن کا رُخ کیا۔

فطری طور پر سب کا دھیان افشاں کی طرف لگا ہوا تھا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ رات دیر تک وہ بھی انتظار کرتی رہی لیکن ہاسپٹل سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔ پھر صبح اٹھتے ہی اس نے امی سے پہلا سوال یہی کیا۔

"بڑی اماں کا فون آیا تھا؟"

"نہیں، ابھی تک کچھ پتہ نہیں۔" امی بھی جیسے اسی انتظار میں تھیں۔ "ایسا لاپرواتو نہیں ہے غزنوی۔ کم از کم فون کر کے کچھ خیر خبر تو دیتا۔"

"ضروری نہیں سمجھا ہوگا....."

وہ کہتی ہوئی منہ دھونے چل دی۔ اس کے بعد جلدی جلدی ناشتہ بنایا، پھر پہلے سامعہ کو اسکول کے لیے تیار کر کے امی کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے ناشتہ کرائیں۔ اس کے بعد خود تیار ہو کر آئی اور ابھی چائے کا پہلا گھونٹ لیا تھا کہ حرا بہت بوکھلائی ہوئی آئی اور باری باری امی اور اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کیا کہے۔ تبھی چھوٹی اماں کمرے سے نکلیں اور انہیں دیکھتے ہی حرا بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"ہائیں، یہ صبح صبح.....!" حرا بری طرح کانپ رہی تھی۔ چھوٹی اماں ٹھٹک گئیں اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ چائے کا کپ رکھ کر ان کے قریب آئی اور حرا کا بازو ہلا کر پوچھنے لگی۔

"کیا بات ہے حرا.....؟"

"وہ افشاں بھابھی۔"

urdunovelist.blogspot.com

''ارے ہاں! کیا ہوا بیٹا یا بیٹی.....؟'' وہ کچھ جلدی بول گئی۔ اور کچھ غلط تو نہیں بولی تھی، پھر بھی اسے لگا جیسے کوئی غلطی کر گئی ہے۔ ایک دم خاموش ہو کر حرا کو دیکھنے لگی تو وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''بیٹا ہوا ہے لیکن افشاں بھابھی چلی گئیں۔''

''ہائیں!'' امی اور چھوٹی اماں کے ہونٹوں سے ایک ساتھ آہ بلند ہوئی اور دونوں خواتین ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگیں، جبکہ وہ اپنی جگہ گم صم کھڑی تھی۔

☆☆☆

وہی بات کہ مرنے والے کے ساتھ کوئی مر نہیں سکتا، اور دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ گو کہ افشاں اس گھر میں نہیں رہتی تھی لیکن اس گھر سے اس کا ناتا تھا۔ بڑی اماں بہت چاؤ سے اسے بیاہ کر لائی تھیں۔ اور اس کے نامناسب رویے کے باوجود اس سے محبت کرتی تھیں۔ اور شاید ان کی محبتوں کے عوض ہی افشاں جاتے جاتے اپنا بیٹا ان کی جھولی میں ڈال گئی تھی۔ لیکن غزنوی جانے کیسے اتنے کٹھور بن گئے۔ جب واپس لاہور جانے لگے تو بڑی اماں کی اتنی منتوں کے باوجود بھی بچے کو ان کے پاس چھوڑنے کو تیار نہیں ہوئے۔ حالانکہ چند دن کا بچہ ان کے لیے پرابلم ہی ہو سکتا تھا، پھر بھی وہ نہیں مانے۔

اس وقت اتفاق سے وہ بھی وہیں موجود تھی اور بہت خاموشی سے ماں بیٹے کی تکرار سن رہی تھی۔

''تم تو صبح آفس چلے جاؤ گے، پھر بچے کا کیا ہوگا.....'' بڑی اماں جانے کتنی بار یہ سوال کر چکی تھیں اور ان کا ایک ہی جواب تھا۔

''میرے پاس ملازم موجود ہے۔''

''ملازم کیا دیکھ بھال کرے گا اس کی۔ اسے تو یہ بھی نہیں پتہ ہوگا کہ اتنے بچے کو دودھ کیسے پلایا جاتا ہے۔''

''سب پتہ ہے اسے، آپ فکر نہیں کریں۔''

''کیسے فکر نہیں کروں۔ اول تو میں تمہارے لاہور جانے کے حق میں بھی نہیں ہوں۔ بس اب اپنا تبادلہ یہیں کروالو۔''

مامتا کے ہاتھوں مجبور بڑی اماں نے شاید قبل از وقت یہ بات کہہ دی۔

''یہ خوب کہی آپ نے، اس کا مطلب ہے اس گھر میں صرف میری بیوی کے لیے گنجائش نہیں تھی۔ اب وہ نہیں ہے تو میں آ سکتا ہوں۔''

غزنوی کے تاسف بھرے طنز سے بڑی اماں سٹپٹا گئیں تو ان کی طرف سے وہ جواب دینے کو مچل گئی لیکن فوراً ہونٹ بھینچ کر خود کو بولنے سے باز رکھا۔

''نہیں اماں! اب میری یہاں واپسی ممکن نہیں ہے۔ اور میں بچے کو بھی خود سے الگ نہیں رکھ سکتا۔''

ان کے حتمی انداز پر بڑی اماں آزردہ ہو گئیں، تب وہ بولنے سے باز نہیں رہ سکی۔

''ٹھیک تو ہے بڑی اماں! یہ صرف ان کا بچہ ہے اور کسی کا کوئی حق نہیں ہے اس پر۔''

اس کی بات پر انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا اور اٹھ کر جانے لگے تو بڑی اماں پکار کر بولیں۔

''سنو بیٹا! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''کہاں.....؟'' وہ سمجھے نہیں۔

''لاہور! اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو.....''

اور وہ ہرگز بھی اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ یوں بڑی اماں ان کے ساتھ چلی گئیں۔ صرف پوتے کی خاطر نہیں بلکہ انہیں غزنوی کا خیال بھی تھا۔ اور ظاہر ہے وہ ماں تھیں۔ ایسے دکھ کے عالم میں بیٹے کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ بڑے ابا نے جو اس کی شادی کا ذکر چھیڑا تھا تو

urdunovelist.blogspot.com

افشاں کی جواں مرگی کے باعث وہ بات وہیں رہ گئی لیکن ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی افشاں کا غم ہلکا ہونے پر بڑے ابا اس سے جواب مانگیں گے اور اس عرصے میں اس نے سوچ لیا کہ اب وہ کوئی عذر تراشنے کی بجائے انہیں اصل بات سے آگاہ کر دے گی کہ اپنے گھر سے نکالتے وقت عارف نے اس سے لکھوالیا تھا کہ دوسری شادی کی صورت میں سامعہ پر اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس کے بعد وہ صاف لفظوں میں بڑے ابا سے کہہ دے گی کہ وہ کسی قیمت پر اپنی بچی سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ اور اسے یقین تھا کہ اصل بات جاننے کے بعد بڑے ابا اس کی کم عقلی پر ماتم تو کریں گے لیکن پھر اسے شادی کے لیے بھی کبھی مجبور نہیں کریں گے۔

حقیقتاً اب اسے شادی کے نام سے وحشت ہوتی تھی۔ یعنی پہلے خوفزدہ تھی اور اب وحشت زدہ۔ پھر اس کے خیال میں سامعہ بھی اب بڑی سمجھدار ہو گئی تھی۔ اس حساب سے اس وقت وہ حرا کے سامنے اپنے آپ کو بوڑھا کہہ رہی تھی۔

''بڑھاپے میں میں یہ کلر پہنوں گی.....!''

''نہیں میں ابھی پہننے کو کہہ رہی ہوں۔'' حرا سمجھی نہیں، اس لیے تصحیح کرتے ہوئے بولی۔

''میں بھی ابھی کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے زور دے کر کہا تو حرا اچھل پڑی۔

''ہائیں! تمہارا مطلب ہے تم پر بڑھاپا آچکا ہے۔''

''بالکل!'' اس نے اتنے یقین سے اعتراف کیا کہ حرا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''پھر ہمارا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ ہم سے چھوٹی بوڑھی ہو گئی اس حساب سے ہم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔''

''نہیں خیر! میں تمہیں تو نہیں کہہ رہی۔''

''کہنا بھی مت ورنہ تیمور فوراً دوسری شادی کر لیں گے اور یہ سوٹ سنبھالو۔ تیمور تمہارے ہی لیے لے کر آئے ہیں۔'' حرا نے سوٹ کا کپڑا اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

''یار! یہ تیمور بھائی زیادتی کرتے ہیں۔''

''زیادتی کی کیا بات ہے۔ تم سے ان کا ڈبل رشتہ ہے۔ بہن بھی ہو اور سالی بھی اور ہو سکتا ہے کوئی تیسرا رشتہ بھی بن جائے۔'' حرا روانی میں بول گئی تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب ہے.....؟'' حرا فوراً کچھ کہنے کے بجائے اپنے کپڑے سمیٹ کر الماری میں رکھنے لگی، پھر آ کر اس کے پاس بیٹھی تو اپنے تئیں کچھ رازداری سے کہنے لگی۔

''پتہ ہے! رات تیمور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بڑے ابا کو سختی سے کام لے کر فوراً تمہارا اور غزنوی بھائی کا نکاح پڑھوا دینا چاہیے۔''

''کیا! دماغ صحیح ہے تمہارا؟'' اس کے چیخنے پر حرا فوراً پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''یہ میں نہیں تیمور کہہ رہے تھے اور ان کا دماغ بالکل صحیح ہے۔ تم خود کئی بار کہہ چکی ہو کہ اس گھر میں صحیح الدماغ صرف تیمور ہیں۔''

''ہیں نہیں تھے۔ تمہارے ساتھ رہتے رہتے.....''

''بس.....'' وہ جس طرح تیز ہو کر شروع ہو گئی تھی، حرا نے بھی اسی تیزی سے اس کی زبان کے سامنے بند باندھ دیا۔ پھر کہنے لگی۔

''اس گھر میں سب پاگل ایک تم صحیح! یہی سمجھتی ہو نا تم۔ تو اس کا مطلب ہے تم خود پاگل ہو اور سن لو اب تم چاہے کتنا بھی پاگل پن کا مظاہرہ کرو، بڑے ابا تمہاری ایک نہیں سننے والے۔''

''بڑے ابا.....! انہوں نے بھی کچھ کہا ہے.....؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''ہاں! افشاں بھابھی کے انتقال سے پہلے میں نے سنا تھا۔ وہ کسی دو بچوں کے باپ کو تمہارے لیے مناسب قرار دے رہے تھے اور اگر افشاں بھابھی کا سانحہ نہ ہوتا تو اب تک تم ایک جمع دو تین بچوں کی اماں ہو چکی ہوتیں۔''

حرا نے اسے آگاہ کیا، پھر اس کا ہاتھ تھام کر دھیرج سے بولی۔

''میرا نہیں خیال کہ تمہیں کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ خواہ مخواہ کی ضد مت کرو۔ جب تمہاری شادی ہونا طے ہے تو پھر کوئی اور کیوں۔ غزنوی.....''

urdunovelist.blogspot.com

''غزنوی کو تم لوگوں نے میری چڑ بنا دیا ہے.....'' وہ ٹوکتے ہوئے سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن حرا نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا دیا اور کہنے لگی۔

''تم ہمیشہ درمیان میں بات چھوڑ دیتی ہو۔ اس لیے اب تک کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکا۔ مجھے بتاؤ! آخر تم چاہتی کیا ہو.....؟''

''پتہ نہیں! مجھے خود نہیں پتہ.....'' وہ عاجزی سے بولی اور پھر ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو حرا پریشان ہو گئی۔

''ارے نومیہ! دیکھو رو مت۔ میری بات سنو.....''

حرا اسے رونے سے باز رکھنے کے لیے کیا کیا بولے گئی۔ اور اس نے ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ پھر اس سے پہلے کہ حرا کچھ کہتی فوراً اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیچے آ گئی۔

اس رات بالکل غیر ارادی طور پر وہ خود سوچ رہی تھی کہ وہ چاہتی کیا ہے۔ اور تب اس پر ادراک ہوا کہ زندگی کی ان بیتی راہوں پر اسے محبت کی چھایا کی آرزو ہے۔

وہ ضرورتاً کسی کا ہاتھ نہیں تھام سکتی۔ کیونکہ کسی بھی شے کی ضرورت ہر وقت نہیں رہتی۔ سائبان کی بھی نہیں۔ جب تک سر پر دھوپ اور بارش نہ ہو سائبان کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور اب تو وہ دھوپ اور بارش میں چلنے کی عادی ہو گئی تھی۔ البتہ تنہا چلتے ہوئے کہیں کہیں اس کا دل چاہتا کوئی اسے محبت سے پکارے۔

وہ رُک کر مڑ کر دیکھے، پھر اپنی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام کر چلے تو صرف محبت کا احساس ہو۔ اور یہاں سب ظالم تھے یا انجان کہ پہلے بھی دل کی بستی بسنے سے پہلے اجاڑ دی اور اب بھی صرف اس کی ضرورت کا خیال۔ نہیں! جب اسکے لیے محبت نہیں تو اسے بھی کسی کی ضرورت نہیں۔ زندہ رہنے کے لیے کوئی بہانا چاہیے تو اس کے پاس سامعہ ہے ناں.....! آخر میں وہ سامعہ کے لیے سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

بڑی اماں پورے چار مہینے غزنوی کے پاس رہ کر آئی تھیں۔ اس دوران بڑے ابا دو بار ان کے پاس ہو آئے اور دونوں ہی غزنوی کو یہاں آنے پر آمادہ نہیں کر سکے۔ پتہ نہیں انہوں نے کیا سوچ لیا تھا۔ بہرحال یہاں آ کر بھی بڑی اماں ان کے لیے فکرمند رہتی تھیں۔ زیادہ بچے کا خیال تھا۔ ان کی اتنی منتوں کے باوجود بھی غزنوی نے بچے کو ان کے ساتھ نہیں بھیجا حالانکہ وہ ان کی گود سے مانوس ہو گیا تھا۔ اور شاید وہ لاہور گئی ہی اس مقصد سے تھیں۔ اب ناکامی کی صورت میں اس وقت کو پچھتا رہی تھیں۔

''نہ جاتی تو اچھا تھا۔ بچہ شروع ہی سے نوکر کا عادی ہو جاتا' اب کیسے گھبراتا ہو گا۔ غزنوی کو دیکھو، کیسا کٹھور ہو گیا ہے۔ ذرا احساس نہیں۔ میرا خیال کیا نہ باپ کا۔ صاف کہہ دیا میرا بچہ ہے' آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں..... اس کا بچہ' ہمارا تو کچھ نہیں.....''

بڑی اماں آبدیدہ ہو کر رونے لگیں۔ پوتے کی محبت انہیں زیادہ رُلا رہی تھی۔

''روتی کیوں ہیں بڑی اماں! صبر کریں۔ دیکھئے گا چار دن میں تارے نظر آ جائیں گے غزنوی کو، تو خود ہی بچے کو لے کر بھاگے آئیں گے۔'' اس نے بڑی اماں کو گلے لگا کر تسلی دی۔

''ارے تم نہیں جانتیں! وہ بھی تمہاری طرح اپنے نام کا ایک ہے۔''

بڑی اماں نے ساتھ ساتھ اسے بھی گھسیٹ لیا تو وہ جز بز سی ہو کر ان سے الگ ہو گئی۔ حرا پر نظر پڑی تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ہنس رہی تھی۔ جس پر وہ مزید سُلگ کر بڑبڑانے لگی' تو حرا ہنسی روک کر بڑی اماں کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک کہا بڑی اماں آپ نے۔ یہ بھی بے حس ہے اور غزنوی بھائی بھی۔ بچوں کا بھی کوئی خیال نہیں۔''

''کیوں خیال نہیں! کیا کمی دے رہی ہوں میں سامعہ کو' بتاؤ؟'' وہ ایک دم اٹھ کر حرا کے سر پر یوں جا کھڑی ہوئی جیسے ابھی اس پر جھپٹ پڑے گی۔

''اُفوہ! تم تو لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتی ہو۔''

urdunovelist.blogspot.com

''تم نے غلط بات کیوں کی.....؟''

''میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔ کیوں بڑی اماں.....!'' حرا نے بڑی اماں کی تائید چاہی۔

''جانے دو بیٹی! یہاں سب اپنی مرضی کے مالک ہیں.....''

بڑی اماں کہتی ہوئی نماز کے لیے اٹھ گئیں تو حرا نے اس سے ناراضگی کا اظہار ہلکے سے سر جھٹک کر کیا۔ تب وہ اپنے رویے پر نادم ہو کر بولی۔

''سوری! مجھے تم سے اس طرح بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ اتنی جلدی آپے سے باہر ہو جاتی ہوں۔ اب یہ بھی تو ٹھیک نہیں ہے ناں کہ بات کسی کی ہو، گھما پھرا کر مجھ پر آ جاتی ہے۔ تم بتاؤ! غزنوی کے یہاں نہ آنے میں میرا دوش ہے۔ انہوں نے بچے کو نہیں بھیجا تو اس میں بھی میرا قصور ہے کیا؟''

''مجھے نہیں پتہ، میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ غزنوی بھائی پہلے ایسے نہیں تھے.....''

حرا نے دامن بچاتے ہوئے کہا تو وہ افسردگی سے بولی۔

''تم پھر مجھے الزام دے رہی ہو۔ یعنی غزنوی بھائی میری وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں۔''

''یہ میں نے کب کہا.....!''

''کہا نہیں لیکن تمہارا مطلب یہی ہے اور شاید سب یہی سمجھتے ہیں۔'' وہ بہت دل گرفتہ ہو گئی تھی۔

حرا نے چونک کر دیکھا، پھر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن وہ اٹھ کر نیچے آ گئی۔

☆☆☆

رات میں سامعہ کو ہوم ورک کروانے بیٹھی تو بار بار اس کا دھیان ہٹ جاتا۔ کبھی حرا کی باتوں کی طرف اور کبھی بڑی اماں کی طرف۔ اور وہ اپنے آپ میں بڑا عجیب سا محسوس کرنے لگی، یعنی سب اسے قصوروار سمجھتے ہیں۔ بے شک اس کے منہ پر صاف لفظوں میں نہ کہیں، پھر بھی

ان کی باتوں سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

''غزنوی پہلے ایسے نہیں تھے.....'' حرا کی بات اس کے دل میں ترازو ہو گئی تھی۔

اگلے دن اسکول سے آ کر اس نے حسبِ معمول سامعہ کو کھانا کھلا کر سُلا دیا، اور جب نماز کے بعد امی بھی کچھ دیر سونے کی غرض سے لیٹ گئیں۔ تب وہ لابی میں سے ٹیلی فون سیٹ اُٹھا کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی اور غزنوی کے آفس کے نمبر سوچ سوچ کر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری بیل پر ریسیور اٹھانے کے ساتھ اجنبی آواز سنائی دی تو اس نے پہلے نمبر کی تصدیق کی، پھر غزنوی سے بات کرانے کو کہا۔

''ہیلو کون.....؟'' قدرے توقف سے خاصے مصروف انداز میں غزنوی نے پوچھا تو وہ جلدی سے بولی۔

''میں ہوں نومیہ.....!''

''کیسی ہو.....؟'' لہجہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کی آواز سنتے ہی دوسری مصروفیت ترک کر دی۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں.....؟''

''کیسے یاد کیا.....؟'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئے تو اس نے بھی کوئی تمہید نہیں باندھی۔

''مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔''

''ہوں.....''

''کیا آپ میری وجہ سے یہاں نہیں آ رہے.....؟''

اس کے سیدھے سادے سوال پر وہ کچھ رُک کر بولے۔

''یہ تم سے کس نے کہا.....؟''

''کہا کسی نے نہیں لیکن سب کا یہی خیال ہے۔''

urdunovelist.blogspot.com

''اور تم! تم کیا سمجھتی ہو.....؟''

''میری بات چھوڑیں۔بس آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ کیوں یہاں نہیں آنا چاہتے؟''

''وجہ تم نہیں ہو نومیہ! اگر سب کا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ یہاں میری جاب ہے' اور میں بہت اچھی طرح سیٹل ہو چکا ہوں۔''

انہوں نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ کچھ عاجزی سے بولی۔

''میں یہ سب نہیں جانتی۔ بس آپ یہاں آ جائیں اور اگر نہیں آئے تو میں بھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''ک۔کیا مطلب.....؟'' وہ بوکھلا گئے۔''تم کہاں جاؤ گی.....؟''

''کہیں بھی۔دنیا بہت بڑی ہے۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو.....!'' انہوں نے سخت لہجے میں ٹوکا تو وہ اپنی جگہ پہلو بدل کر بولی۔

''پھر کب آ رہے ہیں آپ.....؟''

''تم.....تم کیا چیز ہو نومیہ! ہر ایک سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کروا لیتی ہو.....''

ان کی ہتھیار ڈالنے کے بعد والی بے بسی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر مطمئن ہو کر مسکرائی تھی کہ وہ کہنے لگے۔

''سنو.....! سب کا یہ خیال غلط ہے کہ میں تمہاری وجہ سے نہیں آنا چاہتا۔ اصل بات یہ ہے کہ میں تہیہ کر چکا تھا کہ جب بھی آیا صرف اور صرف تمہارے لئے آؤں گا اور اب تو تم خود بلا رہی ہو.....!''

''کیا مطلب ہے آپ کا.....؟'' وہ اچھل پڑی۔

''جو بھی سمجھ لو.....'' انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا تو بے حد جھنجھلا کر وہ ہیلو کرتی رہ گئی۔

پھر شام تک غالباً بڑی اماں کے پاس غزنوی کا فون آ چکا تھا۔ وہ آ رہے تھے جبھی بڑی اماں بات بے بات ہنس رہی تھیں۔ وہ اس وقت رات کا کھانا بنا رہی تھی' کچن کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ برآمدے میں بیٹھی تینوں خواتین بڑی مسرور نظر آ رہی تھیں۔ پھر اس نے سنا' بڑی اماں کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک کہہ رہی تھی نومیہ! چار دن بچے کو سنبھال نہیں سکے گا اور بھاگا چلا آئے گا۔''

''یہی ٹھیک ہے جو وہ سمجھ رہی ہیں.....'' اس نے سوچا، پھر سر جھٹک کر آٹا گوندھنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

غزنوی کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اور اس سے بس ایک بار سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ کھڑے کھڑے حال احوال پوچھا۔ اس کے بعد وہ تو قصداً اوپر نہیں گئی تھی جب کہ ان کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ جانے کیا سوچ کر آئے تھے۔ حرا سے اسے معلوم ہوا تھا کہ فی الحال ایک ہفتے کی چھٹی پر آئے ہیں۔ اس سے زیادہ حرا خود بھی نہیں جانتی تھی کہ آیا اس دوران وہ اپنی ٹرانسفر یہیں کروا لیں گے یا واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ بہر حال ابتدائی چند دن بہت پریشان رہی کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ وہ صرف اور صرف اس کے لیے آئیں گے' اور یہ کہ اب تو وہ خود بلا رہی ہے۔ پتہ نہیں اس کے بلانے کا انہوں نے کیا مطلب لیا تھا۔

اسے تو زیادہ بڑی اماں کا خیال تھا جو ان کے لیے اتنی فکرمند تھیں۔ اور اب بڑی اماں تو فکر سے آزاد ہو گئیں لیکن وہ پریشان ہو گئی کہ اگر پھر غزنوی نے کوئی شوشہ چھوڑ دیا تو بڑے ابا تو پہلے ہی تیار بیٹھے ہیں۔ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اب اس کا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔ بہر حال پھر بھی جب اس نے دیکھا کہ پہلے دن کی سرسری ملاقات کے بعد غزنوی کی طرف سے مزید پیش رفت ہوئی نہ انہوں نے کچھ جتایا۔ تب اس نے سوچا کہ یونہی اسے تنگ کرنے کی خاطر انہوں نے کہہ دیا ہو گا کہ وہ صرف اس کی خاطر آئیں گے۔ آخر وہ بھی تو انہیں پریشان کرتی رہی ہے اور اس سوچ کے

urdunovelist.blogspot.com

بعد اسے اطمینان سے سو جانا چاہیے تھا لیکن اس کے برعکس اس کے اندر عجیب سی بے کلی آن سمائی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔

"پتہ ہے نومیہ! رات بڑے ابا غزنوی بھائی کی دوسری شادی کرنے پر زور دے رہے تھے....."

حرا نے بڑی رازداری سے اسے بتایا تو وہ یونہی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن مجھے غزنوی بھائی کا جواب سن کر بہت افسوس ہوا۔" حرا ابھی بھی افسوس سے بولی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا۔ کیا جواب دیا انہوں نے.....؟"

"کہنے لگے! مجھے دوسری شادی سے انکار نہیں ہے لیکن پہلے آپ نومیہ کی شادی کریں۔ اس کے بعد میرا سوچیں....."

"اچھا.....!" اس کے اندر جانے کیا کچھ ٹوٹ گیا اور کہیں ٹوٹنے کی آواز سنی نہ جائے۔ اس لیے ہنسی میں چھپا کر بولی۔ "وہ جانتے ہیں ناں کہ مجھے شادی نہیں کرنی' اس لیے ایسی شرط لگا دی....."

"ہو سکتا ہے انہوں نے اسی خیال سے کہا ہو۔ لیکن تم سن لو کہ بڑے ابا نے ان کی بات مان لی ہے۔"

حرا کا انداز اسے کسی خطرے سے آگاہ کرنے والا تھا۔ وہ سچ مچ پریشان ہو گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟"

"بھئی! میں نے جو سنا وہی بتا رہی ہوں۔ بڑے ابا کہہ رہے تھے ٹھیک ہے' پہلے ہم نومیہ کی شادی کر دیتے ہیں۔"

حرا نے اپنا دامن بچا کر کہا۔ پھر کچھ خائف سی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"ویسے اس سے پہلے بڑے ابا نے کچھ اور بھی کہا تھا۔ کہو تو وہ بھی بتا دوں؟"

"نہیں! پہلے مجھے غزنوی سے پوچھ لینے دو کہ انہیں مجھ سے....."

وہ تنفر سے بولتی ہوئی ایک دم خاموش ہو گئی' پھر سوچ کر بولی۔

"کہ انہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ میں ان پر تو بوجھ نہیں بنی ہوئی۔ ان سے کہو....."

"ایک منٹ.....!" حرا ٹوک کر بولی۔ "میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جو کہنا ہے' خود کہو....."

"ٹھیک ہے۔ میں خود کہہ دوں گی....."

حرا سے اس نے بڑے آرام سے کہہ دیا اور ہمیشہ تو وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو کر ان کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ اب پتہ نہیں کیا بات تھی' ان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم بہت بوجھل ہو رہے تھے۔ پہلے کی طرح بے دھڑک کمرے میں داخل بھی نہیں ہو سکی۔ ایک بار افشاں نے انتہائی ناگواری سے ٹوکا تھا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے آنے کا؟ دستک دے کر آیا کرو.....!"

اور وہ اسی دن سے محتاط ہو گئی تھی۔ اب افشاں نہیں تھی تب بھی اس نے پہلے دستک دی اور ان کی اجازت ملنے پر اندر داخل ہو کر دروازے کے پاس ہی رُک گئی۔ اور وہ جو کارنر کی دراز میں جانے کیا تلاش کر رہے تھے' اس طرف مصروف رہے۔ جب فارغ ہو گئے تب دراز بند کر کے سر اونچا کیا اور اسے دیکھ کر قدرے تعجب سے بولے۔

"تم.....! کیا بات ہے.....؟"

"وہ..... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"یہی کہو گی ناں کہ میں واپس لاہور چلا جاؤں....." انہوں نے کہا تو کچھ سٹپٹا گئی۔

"آپ کو کیسے معلوم.....؟"

"تمہارے چہرے پر لکھا ہے۔"

"تو پھر کب جا رہے ہیں.....؟" اُف اس نے حد کر دی۔ ایسی بے مروتی کی توقع

urdunovelist.blogspot.com

انہیں ہرگز نہیں تھی۔ کچھ دیر تک اس پر نظریں جمائے بیٹھے رہے، پھر کہنے لگے۔

''کبھی بلاتی ہو، کبھی جانے کو کہتی ہو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو.....؟'' وہ خاموش رہی تو دھیرج سے بولے۔

''میں تمہارے کہنے پر صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ اور جب تک یہ جان نہیں لیتا کہ تم مجھ سے اور ابو سے اپنی مرضی کے خلاف فیصلے کیوں کرواتی ہو، واپس نہیں جاؤں گا۔''

اس نے چونک کر دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

''مجھے بتاؤ..... کس دباؤ میں ہو تم.....؟''

''مم میں کسی دباؤ میں نہیں ہوں۔'' وہ پریشان ہوگئی۔

''جھوٹ مت بولو!''

انہوں نے خاصے جارحانہ انداز میں آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی اور کھینچ کر کرسی پر گراتے ہوئے بولے۔ ''کیا سمجھتی ہو تم! میں تمہیں جانتا نہیں۔ ابو اور سب کا خیال ہے کہ تم پہلی شادی کی ناکامی سے خوفزدہ ہو لیکن میں نہیں مانتا اور مجھے تو تمہیں سچ بتانا پڑے گا۔ بتاؤ! اصل بات کیا ہے؟''

''آپ کو تو میں کبھی نہیں بتاؤں گی.....'' وہ ان کے جارحانہ انداز میں غصے سے بولی تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ یعنی واقعی کوئی بات تھی۔ سمجھ کر پوچھنے لگے۔

''پھر کسے بتاؤ گی.....؟''

''کسی کو نہیں۔ بس آپ مجھے جانے دیں۔'' وہ اٹھنے لگی لیکن وہ کرسی کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اس کا راستہ روک کر بولے۔

''تم کچھ کہنے آئی تھیں۔''

''کہہ تو دیا کہ آپ واپس لاہور چلے جائیں۔''

اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ان کی نظریں اپنے چہرے پر بری طرح محسوس ہو رہی

تھیں۔

''تم چلو گی میرے ساتھ؟''

پھر وہی بات اور وہ نہیں کہتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔ چند لمحے توقف سے وہ اسکی کلائی پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''اس طرح خود کو تنہا مت کرو نومیہ! بتاؤ کیا بات ہے؟''

اور شاید وہ تھک گئی تھی۔ یونہی روتے ہوئے اس نے راز پر سے پردہ ہٹا دیا جو اسے مسلسل اتنی محبت کرنے والی ہستیوں کی نفی پر مجبور کر رہا تھا۔ آخر میں کہنے لگی۔

''میں سامعہ کے بنا نہیں رہ سکتی غزنوی! عارف اسے مجھ سے چھین لے گا۔ اگر میں نے شادی کی تو وہ.....''

''بے وقوف ہو تم! یہ بات چھپا کر تم نے خود اپنے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اور شاید تمہیں ہم پر بھروسہ نہیں تھا۔'' انہوں نے تاسف سے کہا تو وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی۔

''یہ بات نہیں ہے.....''

''یہی بات ہے.....'' ان کا غصہ بجا تھا۔ اسے کرسی سمیت پیچھے دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگے۔ غالباً اس کی باتوں کو سوچ رہے تھے۔ وہ کن اکھیوں سے دیکھتی رہی۔ ایک طویل مدت بعد وہ پھر ان سے خائف ہو رہی تھی۔ براہ راست دیکھنے کی ہمت تھی نہ مخاطب کرنے کی۔ تب وہ اچانک رُک کر بولے۔

''تمہارے لکھ کر دینے سے سامعہ صرف عارف کی نہیں ہو سکتی۔ اول تو وہ ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرے گا۔ اور اگر اس سے ایسی کوئی حماقت سرزد ہوئی تو تم سے جبراً لکھوانے کے جرم میں وہ اپنے جال میں خود پھنس جائے گا۔ سمجھیں تم.....!'' اس نے ذرا سی پلکیں جھپکیں، پھر سر جھکا لیا تو وہ ایک لمحہ توقف سے بولے۔

''اور تم بھی سزا سے نہیں بچ سکتیں کیونکہ اس کے جرم پر پردہ ڈال کر تم بھی برابر کی

urdunovelist.blogspot.com

شریک ہو۔'' اس نے واقعی گھبرا کر پلکیں اٹھائیں لیکن ان کے ہونٹوں میں دبی مسکراہٹ دیکھ کر فوراً کھڑی ہوگئی اور جانے لگی تو وہ پکار کر بولے۔

''سنو! اپنی سزا تو سنتی جاؤ۔''

''جی نہیں! اپنے لیے سزا میں خود تجویز کروں گی۔'' وہ رُک کر انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

''مجرموں کو ایسی رعایت دی تو نہیں جاتی۔ خیر! تم بتاؤ' کیا تجویز کرو گی؟''

انہوں نے قدرے تجسس سے پوچھا تو وہ الٹے پیروں چلتی ہوئی دروازے کے پاس رُک کر بولی۔

''آپ کے بچے کو ماں کی ضرورت ہے اور میرے علاوہ اس کی کوئی ماں نہیں ہو سکتی.....''

اس کا ارادہ اپنی بات کہہ کر بھاگ جانے کا تھا لیکن جب دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھلا ہی نہیں۔ لاک نہیں تھا اور شاید بوکھلاہٹ میں وہ الٹا گھما رہی تھی۔ تب آگے آکر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھولنے سے پہلے بولے۔

''تمہاری تجویز کردہ سزا میں کچھ اضافہ میری طرف سے کہ بچے کے ساتھ تھوڑی گنجائش اس کے باپ کی بھی رکھنا کہ اسے بھی تمہاری ضرورت ہے۔ رکھو گی ناں.....؟''

پتہ نہیں یہ محبت کہاں چھپا رکھی تھی انہوں نے جواب اچانک ان کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔ وہ انہیں دیکھنے کی کوشش میں بس ذرا سی پلکیں اٹھا سکی۔ پھر سر جھکا لیا تو اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے انہوں نے دل کے ساتھ کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا۔

☆☆☆